مشرقِ وسطیٰ کا مسئلہ

پیپلز پبلشنگ ہاؤس
پوسٹ بکس 862 - لاہور

(22) خالد حسين نوراني
ايل امير يسي
جامستورد
١٨-٤-٨٣

مشرقِ وسطیٰ

کا

مسئلہ

پیپلز پبلشنگ ہاؤس
لاہور

جملہ حقوق محفوظ

ناشر : عبدالرؤف ملک
پیپلز پبلشنگ ہاؤس - لاہور

طابع : اسلامیہ السعودیہ پریس لاہور

دسمبر ۱۹۷۹ء

فہرست

ا۔ پیش رس

۱۔ معاہدے کا پس منظر

۲۔ یروشلم سے کیمپ ڈیوڈ تک

۳۔ عالمی ردِ عمل

۴۔ سوویت یونین اور مشرق وسطیٰ

پبلشرس

مشرق وسطیٰ ہماری دنیا کا ایک ایسا علاقہ ہے جو ایک طویل عرصے سے کشیدگی کا شکار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اسرائیل کی جارحانہ اور توسیع پسندانہ پالیسی ہے۔ جس کے لئے اس کو بین الاقوامی سامراجی قوتوں کی پوری پوری حمایت حاصل ہے۔ سامراجی ممالک اسرائیل کو فوجی ساز و سامان اشیائے خورد و نوش اور معاشی امداد غرضیکہ دنیا کی ہر شے مہیا کرتے ہیں تاکہ ان کا یہ حاشیہ بردار ان کے خود غرضانہ مفادات کی نگرانی کرتا رہے۔

گزشتہ تیس برسوں میں مشرق وسطیٰ میں چار جنگیں ہو چکی ہیں۔ ان جنگوں سے مشرق وسطیٰ کا مسئلہ حل نہیں ہوا بلکہ مزید پیچیدہ ہو گیا۔ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے تین اہم ترین پہلو ہیں :

(ا) ۱۹۶۷ء کے تمام مقبوضہ عرب علاقوں سے اسرائیلی افواج کا انخلاء۔

(ب) فلسطین کے عرب عوام کی ریاست کا قیام۔

(ج) علاقے کے تمام ممالک کی سلامتی کی ضمانت۔

مسئلے کے یہ تینوں پہلو ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہیں کہ ان کو علیحدہ علیحدہ حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں پائیدار اور منصفانہ امن کے قیام کے لئے مسئلے کے مجموعی حل کی ضرورت پر زور دیا جاتا رہا ہے تاکہ اس علاقے سے کشیدگی کا خاتمہ ہو جائے۔

اس ضمن میں سوویت یونین نے ہمیشہ اس اصولی پالیسی کا اعادہ کیا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں منصفانہ اور پائیدار امن کے لئے ضروری ہے کہ تمام متعلقہ فریقین، بشمول فلسطین کی تحریکِ آزادی نیز امریکہ اور سوویت یونین مل کر کانفرنس کی میز پر بیٹھیں اور پُرامن مذاکرات کے ذریعے ان مسائل کا حل تلاش کریں تاکہ ہماری دنیا کو لاحق جنگ کے خطرات کا سدِباب کیا جا سکے۔ سوویت یونین کے راہنماؤں نے ہمیشہ جینوا کے امن مذاکرات کی حمایت کی ہے۔

لیکن سامراجی قوتیں اور ان کے حاشیہ بردار صیہونی حلقے نہیں چاہتے کہ مشرقِ وسطیٰ میں منصفانہ اور پائیدار امن قائم ہو۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ اسرائیل عرب علاقوں پر بدستور قابض رہے اور فلسطین کے عرب عوام کی ریاست کا قیام عمل میں نہ لایا جا سکے۔

اپنے ان مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے ان حلقوں نے مصر کے صدر سادات کو سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور مصر کے صدر نے اپنے عرب بھائیوں کا ساتھ چھوڑ کر عربوں کے دشمن سامراجی اور صیہونی حلقوں سے علیحدہ مذاکرات کے بعد اسرائیل سے ایک علیحدہ معاہدہ کر لیا۔ یہ معاہدہ امریکہ کے قصبے کیمپ ڈیوڈ میں طے ہوا، چنانچہ اسی نسبت سے اس کو کیمپ ڈیوڈ معاہدے کا نام دیا گیا ہے۔

صدر سادات نے اپنے عرب بھائیوں کے خون کو فراموش کر کے جس نام نہاد امن کی تلاش کی تھی، وہ ایک سراب ثابت ہوا۔ انہوں نے عربوں سے اپنا تعلق ختم کر لیا اور صیہونی دشمن سے ناطہ جوڑ لیا۔ انہوں نے دشمن کے سامنے ہتھیار پھینک دیئے۔ لیکن ان کو اپنے خوابوں کی تعبیر نہ مل سکی۔

زیرِ نظر کتاب میں صدر سادات کے انہی اقدام پر سیر حاصل بحث کی گئی

ہے ۔ کتاب تمامتر تاریخی پس منظر کے ساتھ، غیر جذباتی اور منطقی انداز میں تحریر کی گئی ہے ۔ اس میں کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے پس منظر پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ قاری کو واضح اور غیر مبہم طور پر یہ علم ہو جائے کہ علیحدہ سمجھوتے سے قبل، سوویت یونین کی فعال کوششوں سے مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے مجموعی حل کے لئے کتنی کامیابی حاصل ہو چکی تھی اور جب امن کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا تھا، تو اس معاہدے نے اس کو کس طرح سبوتاژ کیا ۔

اس کتاب میں یروشلم سے کیمپ ڈیوڈ تک صدر سادات کے سفر کی روداد بلاکم وکاست بیان کر دی گئی ہے ۔ اس کے مطالعے سے قاری کو علم ہو جاتا ہے کہ اس معاہدے سے صدر سادات نے کیا کھویا اور کیا پایا ۔

اس کتاب میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے منصفانہ اور پائیدار حل کے لئے سوویت یونین کی پالیسی پر ایک باب شامل کیا گیا ہے ۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ کتاب ہرگز مکمل نہ ہوتی ۔ آج بین الاقوامی میدان میں سوویت یونین اور سوشلسٹ برادری کے دیگر ممالک ان قوموں کے لئے وسیلۂ قوت ہیں جو اپنی آزادی، خود مختاری اور سامراجی غلبے کے خلاف مصروف جدوجہد ہیں ۔ سوویت یونین اپنی لینن خارجہ پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ایسی تمام اقوام کی مکمل حمایت کرتا ہے اور ان کو ہر طرح کی امداد مہیا کرتا ہے کیونکہ یہ اس کا بین الاقوامی فریضہ ہے ۔

باب اوّل

معاہدے کا پس منظر

۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو سوویت اسلحے سے لیس مصری فوج نے جس کو سوویت یونین کے ماہرین حرب نے تربیت دی تھی، نہر سویز کو عبور کر کے صحرائے سینا میں اسرائیلی چوکیوں پر بھرپور حملہ کیا۔ اس موقع پر سفارتی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے مصر کے مشہور صحافی محمد حسنین ہیکل نے اپنی کتاب "راہ رمضان" میں لکھا ہے کہ صدر سادات نے سوویت سفیر سے بات چیت کرتے ہوئے سوویت یونین کی امداد و حمایت کا شکریہ ادا کیا اور سوویت سفیر سے کہا کہ میری جانب سے لیونڈ برژنیف کو یہ پیغام دے دیجئے کہ ہم نے نہر سویز سوویت اسلحے کے طفیل عبور کی ہے۔ جنگ رمضان نے جس کے دوران سوویت یونین نے فضائی ذریعوں سے مصر اور شام کو ہنگامی بنیادوں پر فوجی ساز و سامان کی رسد کا تانتا باندھ دیا، صیہونی حلقوں کی جانب سے پھیلائے ہوئے اس تاثر کو پارہ پارہ کر دیا کہ عرب (جو ۱۹۶۷ء کی اسرائیلی جارحیت کا زبردست شکار بن چکے تھے) اسرائیل کے مقابلے میں لڑنے کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتے چنانچہ بالآخر ان کو اسرائیل کی بالادستی اور ہوس ملک گیری کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ اس جنگ نے یہ امر ثابت کر دکھایا کہ بے غرض اور بے لوث دوست ممالک کی موثر امداد کو بروئے کار

لاکر عرب ممالک اپنی منصفانہ جدوجہد میں اسرائیلی حملہ آوروں کے قدم اکھاڑنے کے مکمل طور پر اہل ہیں۔ اس جنگ میں عربوں کو ایک اور سیاسی فتح نصیب ہوئی اور وہ ان کے اتحاد اور بھائی چارے میں مضبوطی تھی۔ تیل برآمد کرنے والے عرب ممالک نے ۱۷ اکتوبر کو، جب کہ عرب اسرائیل جنگ میں شدید تندی تھی، اعلان کیا کہ وہ اسرائیل کی حمایت کرنے والے تمام مغربی ممالک کو تیل کی برآمد پر پابندی عاید کرتے ہیں۔ ان ممالک نے اس کے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کیا کہ وہ اپنی تیل کی پیداوار میں ہر ماہ پانچ فیصد کمی کریں گے اور اسی مناسبت سے تیل کی برآمدات بھی کم کرتے جائیں گے۔ ان ممالک نے اس امر کا بھی اعلان کیا کہ اس پالیسی میں اس وقت تک تبدیلی نہیں کی جائے گی جب تک کہ اسرائیل تمام مقبوضہ عرب علاقے خالی نہیں کر دیتا۔ عرب ممالک کی یہ یک جہتی و اتحاد مشرق وسطیٰ میں عرب اسرائیل جھگڑے میں ایک نیا اور بے حد اہم عنصر تھی۔

تیل کی بندش نے اسرائیل کے حامیوں اور اس کی جارحانہ پالیسی کی پُرجوش حمایت کرنے والوں کو، جن میں امریکہ سرِفہرست تھا، حالات کا بہت احتیاط سے جائزہ لینے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ تیل کے ہتھیار سے مجبور ہو کر اسرائیل کے سرپرست بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ مشرق وسطیٰ کا مسئلہ حل ہونا بے حد ضروری ہے حالانکہ اس سے قبل یہ ممالک اس امر کو خارج از امکان سمجھتے تھے۔

چنانچہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو امریکہ کو با دلِ ناخواستہ سوویت یونین کے ساتھ مل کر، جس کی عرب ہمدردیاں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، ایک قرارداد کا مسودہ تیار کرنا پڑا جو بالآخر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۳۳۸

کے طور پر سامنے آئی ۔ اس میں کہا گیا تھا کہ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے لئے ایک کانفرنس طلب کی جائے ۔ یہ کانفرنس ۲ ماہ بعد جنیوا کے مقام پر شروع ہوئی ۔ اگر جنیوا کانفرنس معمول کے مطابق کام کرتی تو یہ بات بلا شک وشبہ کہی جا سکتی ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرنے میں کامیاب ہو جاتی جن پر عمل کر کے مشرق وسطیٰ میں منصفانہ و پائیدار امن قائم ہوتا ۔ کانفرنس کے سامنے اصل مسئلہ یہ تھا کہ اس میں شریک تمام اطراف اپنی اپنی ذمہ داریاں اور وعدے وعید ایمانداری اور ذمہ داری سے پوری کریں گی یا نہیں ۔

سوویت یونین، جو جنیوا کانفرنس میں امریکہ کے ساتھ شریک چیئرمین تھا، اور اسرائیلی حملوں کا نشانہ بننے والے تمام عرب ممالک یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ سیاسی صورتِ حال نے ان کو جو موقع فراہم کیا ہے اس سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرق وسطیٰ میں ایک مجموعی تصفیہ کر لیا جائے ۔ جنیوا کانفرنس کے پہلے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سوویت یونین کے وزیر خارجہ اینڈری گرومیکو نے اس تصفیے کے ضمن میں تین امور کو آپس میں منسلک قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ اولاً طاقت کے بل پر علاقے ہتھیانے کی ممانعت ہونی چاہیئے اور نتیجتہً اسرائیل کو تمام مقبوضہ عرب علاقے خالی کر دینے چاہئیں، ثانیاً فلسطین کے عرب باشندوں کے قانونی حقوق کا احترام کیا جائے اور ان کی شمولیت کے بغیر فلسطین کے مسئلے کو نہ تو زیر غور لایا جائے اور نہ حل کیا جائے اور ثالثاً علاقے کے تمام ممالک جن میں اسرائیل بھی شامل ہے کی علاقائی سالمیت، خودمختاری اور آزادی کی ضمانت دی جائے ۔

مندرجہ بالا تینوں نکات جو آپس میں گہرے طور پر منسلک ہیں، سوویت یونین کی اصولی پالیسی کا حصہ رہے ہیں جس کے ذریعے وہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کا جائز و منصفانہ حل چاہتا ہے۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امریکہ کے وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کیسنجر نے یہ اشارہ دیا کہ ان کا ملک سنجیدگی سے اس امر کا خواہاں ہے کہ مشترکہ عمل کے لئے جو موقع پیدا ہوا ہے اس سے تعمیری فائدہ اٹھایا جائے۔

اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ میں جو تعطل پایا جاتا تھا وہ اب ختم ہو چکا ہے۔ کیونکہ مسئلے کے حل کے لئے ضروری مواقع موجود تھے۔ تاہم کانفرنس میں کئی ممالک کے اس اعلان کے باوجود کہ وہ جنیوا کانفرنس کے اغراض و مقاصد کو دل و جان سے کامیاب بنانا چاہتے ہیں، جلد ہی خفیہ مذاکرات شروع ہو گئے جن کا کانفرنس سے نہ صرف کوئی تعلق نہ تھا بلکہ جو مشرق وسطیٰ میں جائز، منصفانہ اور پائیدار امن کو براہ راست سبوتاژ کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اسرائیل نے اپنی تمام کوشش اس امر پر صرف کر دی کہ وہ مقبوضہ عرب علاقے خالی نہ کرے اور کانفرنس میں اس ضمن میں کوئی تصفیہ نہ ہونے پائے۔ امریکہ کی پالیسی دوغلی رہی۔ جنیوا کانفرنس میں شریک چیئرمین کی حیثیت سے وہ سرکاری طور پر کانفرنس کی حمایت کرتا رہا تاہم درحقیقت اس کو ناکام بنانے کی خفیہ کوششیں اس کا منتہائے مقصود رہیں۔ جلد ہی جنیوا کانفرنس کی ناکامی کے تاثرات پیدا ہو گئے اور تصفیے کی مساعی ناکام ہوتی نظر آنے لگی۔ عرب ممالک بد دلی کا شکار ہو چکے تھے کیونکہ ان کی صفوں میں ایک دراڑ پیدا ہو چکی تھی۔ مصر عرب دشمنوں کے ساتھ مل چکا تھا۔ اس طرح جنیوا کانفرنس ناکام ہو گئی۔

تاہم سوویت یونین نے اپنی مساعی جاری رکھی تاکہ جنیوا کانفرنس کا دوبارہ انعقاد ہو سکے اور مشرق وسطیٰ کا مسئلہ پرامن طور پر مذاکرات کے ذریعے طے ہو سکے۔ ۲ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو سوویت یونین نے جنیوا کانفرنس کے بلاتاخیر طلب کئے جانے کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے ٹھوس تجاویز اور ایجنڈا بھی پیش کیا۔ سوویت یونین کی یہ پہل کاری بے حد برمحل تھی۔ اس سے قبل سوویت یونین کے وزیر خارجہ اینڈری گرومیکو ستمبر میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کے دوران امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس اور امریکی صدر جمی کارٹر سے ملاقات کر چکے تھے۔ انہوں نے عرب اور چند دیگر ممالک کے وزرائے خارجہ کے علاوہ پی ایل او کے نمایندے سے بھی مذاکرات کئے۔ پھر اینڈری گرومیکو نے نومبر میں پی ایل او کے راہنما فاروق قدومی سے ماسکو میں مذاکرات کئے۔ ان مذاکرات میں دونوں ممالک نے جلد از جلد جنیوا امن مذاکرات کے دوبارہ انعقاد کی ضرورت پر زور دیا۔ سوویت یونین نے جنیوا مذاکرات کے لئے اپنی سفارتی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ ان سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے اکتوبر ۱۹۷۷ء میں سوویت راہنما لیونڈ برژنیف نے بھارتی وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کے اعزاز میں ایک عشائیے میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ گزشتہ چند مہینوں میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے مجموعی حل کے لئے قابل ذکر مساعی بروئے کار لائی گئی ہے تاکہ تعطل کو دور کیا جا سکے۔ امید کی جاتی ہے کہ شریک چیئرمینوں کی امداد سے جھگڑے میں براہ راست ملوث متعلقہ پارٹیاں نئی صورت حال سے فائدہ اٹھائیں گی۔

۱۹۷۷ء کی ابتدا میں جب امریکہ میں جمی کارٹر کی حکومت نے عنان اقتدار سنبھالی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی انتظامیہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کو حقیقت

پسندانہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ کیونکہ مشرق وسطیٰ کے بارے میں اپنے پہلے بیان میں صدر کارٹر نے کہا تھا کہ سالِ رواں میں ہم اپنی کوششوں کا محور اس امر کو بنائیں گے کہ متعلقہ پارٹیوں کو جنیوا مذاکرات میں لائیں۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں ماسکو میں سوویت۔ امریکی مذاکرات اور مئی ۱۹۷۷ء میں جنیوا میں ہونے والے دونوں ممالک کے مذاکرات کے دوران ایک معاہدہ طے پایا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ دونوں ممالک جو مشرق وسطیٰ کے بارے میں جنیوا امن مذاکرات کے شریک چیئرمین ہیں مل کر جو کوشش کر رہے ہیں وہ مشرق وسطیٰ میں منصفانہ اور پائیدار امن کے لئے ازبس ضروری ہے۔ دونوں ممالک نے اس رضامندی کا بھی اظہار کیا کہ ۱۹۷۷ء کے موسم خزاں میں جنیوا مذاکرات شروع کرنے کے لئے وہ مشترکہ مساعی کریں گے اور اس ضمن میں ماسکو اور واشنگٹن میں سفیروں کی سطح پر ماہانہ مذاکرات ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ مشرق وسطیٰ کے جھگڑے میں براہ راست ملوث ممالک میں سے وہ اپنے اپنے دوست ممالک سے بھی صلاح مشورے کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کو سوویت یونین اور امریکہ کا ایک مشترکہ اعلان جاری ہوا جس میں مشرق وسطیٰ میں فوری اور مجموعی تصفیے کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔ بیان میں کہا گیا تھا کہ اس تصفیے میں تمام جھگڑوں کو نمٹایا جائے جن میں یہ امور شامل ہیں۔ ۱۹۶۷ء کے تمام مقبوضہ عرب علاقوں سے اسرائیلی فوج کا انخلا، فلسطین کے مسئلے کا حل، جنگ کی صورت حال کا خاتمہ اور معمول کے مطابق پر امن تعلقات کا قیام جن کی بنیاد علاقائی سالمیت، خود مختاری اور سیاسی آزادی کے اصول ہوں۔ بیان

میں اس امر کو بے حد اہمیت کا حامل قرار دیا گیا کہ مشرق وسطیٰ میں مجموعی تصفیے کے لئے "واحد، درست اور مؤثر راہ" خصوصی طور پر بلائی جانے والی جنیوا کانفرنس کے دائرہ کار میں مذاکرات ہیں، جس میں جھگڑے میں ملوث تمام ممالک بشمول فلسطینی عوام کے نمائندے شرکت کریں۔ دونوں ممالک نے جنیوا کانفرنس کے شریک چیئرمین کی حیثیت سے اس عزم صمیم کا اظہار کیا کہ وہ اپنے بس میں ہر وہ قدم اٹھائیں گے جس کے ذریعے جنیوا کانفرنس کا دوبارہ انعقاد دسمبر ۱۹۷۷ء تک ہو جاتے۔ اگرچہ اس وقت تک کانفرنس کے متعلق طریق کار اور نظام سے متعلق کئی سوالات غیر حل شدہ تھے تاہم یہ امر واضح تھا کہ کانفرنس کے انعقاد کا کلیدی مسئلہ حل ہو چکا ہے۔

یہ وہ حالات تھے جن کے تحت وہ قوتیں میدان عمل میں سرگرم کار ہو گئیں جو اپنے خود غرضانہ، ذاتی اور معمولی معمولی مفادات کے لئے مشرق وسطیٰ کے امن کو داؤ پر لگا دیتی ہیں اور علاقے میں کشیدگی اور جنگ کو ہوا دیتی ہیں۔ یہ قوتیں اس امر کی خواہاں ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں عرب ممالک پر اسرائیل کو فوجی بالادستی حاصل رہے تاکہ اس علاقے میں اسرائیل ان کے مفادات کی نگرانی کر سکے۔

جنگ رمضان کے دوران عربوں کی یک جہتی اور اتحاد اور تیل کے ہتھیار کے بھرپور استعمال نے ان قوتوں کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اور وہ مسلسل اس کوشش میں مصروف تھیں کہ کسی طرح عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جا سکے۔ پھر جب سوویت یونین کی بھرپور سفارتی اور سیاسی کوششوں سے جنیوا کے امن مذاکرات کا انعقاد ممکن نظر آنے لگا تو ان

قوتوں نے پس پردہ اپنی ڈوریاں ہلانی شروع کردیں۔

۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مصر کے صدر انوار السادات نے قومی اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ کر دنیا بھر میں سنسنی اور ہیجان پیدا کر دیا کہ اسرائیل یہ سن کر بہت حیرت زدہ ہوگا کہ امن کے لئے میں اسرائیل جا کر نیسٹ (اسرائیلی قومی اسمبلی) سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار رہوں۔

صدر سادات کی یہ تقریر بے حد طویل تھی اور مذکورہ بالا جملہ اس میں محض بر سبیل تذکرہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ اپنی تقریر میں انہوں نے مشرق وسطیٰ میں امن کے لئے جنیوا کے امن مذاکرات شروع کرنے کی ضرورت پر زور دیا تھا۔

اگلے روز دنیا بھر کے اخبارات نے یہ خبر شہ سرخی کے ساتھ شائع کی۔ اور بالخصوص صیہونی اور مغربی اخبارات نے اس کو جس طرح اچھالا، اس سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ اسرائیل کا دورہ کرنے کی پیشکش نہ صرف ایک ٹھوس حقیقت تھی، بلکہ اس تجویز پر اسرائیل کے راہنما پہلے ہی صاد کر چکے تھے اور جمی کارٹر کے وہائیٹ ہاؤس میں بطور صدر امریکہ داخل ہونے سے قبل ہی امریکہ کی مساعی سے مصر اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات کی راہ ہموار ہو چکی تھی۔

بعد کے حالات و واقعات سے جو تصویر سامنے آئی اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تجویز امریکہ کے سابقہ وزیر خارجہ ہنری کیسنجر کے ذہن کی تخلیق تھی، جو ۱۹۷۳ء کی عرب و اسرائیل جنگ کے بعد سے مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے اکھڑے ہوئے قدم جمانے کے لئے "امن کے لئے امریکی جدوجہد"

کی شٹل ڈپلومیسی میں بے حد مصروف تھے۔ اس جنگ میں اگرچہ عربوں کو فیصلہ کن فتح حاصل نہ ہو سکی تھی تاہم انہوں نے جارح صیہونیوں کی طاقت کا گھمنڈ خاک میں ملا دیا تھا اور اس طرح اس علاقے میں سامراج کی بالادستی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ ان حالات میں ڈاکٹر ہنری کیسنجر نے جو بذات خود ایک یہودی ہیں، قاہرہ اور تل ابیب کے درمیان شٹل ڈپلومیسی کی ابتدا کرتے ہوئے صدر سادات کو اسرائیل سے امن مذاکرات کرنے کے لئے یروشلم جانے کے لئے آمادہ کرلیا۔

صدر سادات کی اس تقریر سے قبل مصر کے ذرائع ابلاغ نے سرکاری ہدایات کے تحت "ہر قیمت پر امن" اور "ہر ممکن ذرائع سے امن" کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیئے تھے۔ صدر سادات کے ایک قریبی صحافی نے ایک اخبار میں لکھا۔ "اگر ہم غربت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے جلد از جلد حل کرلیں" اس طرح کی اطلاعات پھیلا کر مصری عوام کے اذہان کو نفسیاتی طور پر صدر سادات کے دورۂ اسرائیل کے لئے پہلے سے تیار کرنے کا کام بڑے وسیع پیمانے پر شروع کر دیا گیا۔

یہ تمام منصوبہ بندی نہایت ہوشیاری کے ساتھ کی گئی تھی اور اس کے پس پردہ بھی ڈاکٹر ہنری کیسنجر کا زرخیز دماغ کارفرما تھا۔ ہنری کیسنجر کا منصوبہ یہ تھا کہ مصر کو سامراج دشمن عرب ممالک سے علیحدہ کرنے اور سوشلسٹ ممالک بالخصوص سوویت یونین سے روابط منقطع کر لینے کے ضمن میں اس کی حتی الامکان حوصلہ افزائی کی جائے اور اس سلسلے میں مصر خواہ کوئی معمولی سا بھی قدم اٹھائے، اس کے عوض اس کو "معاوضہ" دیا جائے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ سامراجی قوتیں اپنی دولت فضاؤں میں نہیں بکھیرتیں۔ اور

نہ وہ کسی ملک کو امداد یا قرضے فی سبیل اللہ دیتی ہیں بلکہ ان کی پشت پر ان کے گہرے مقاصد روپوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ مصر کو "معاوضہ" دینے کے منصوبہ کا مقصد یہ تھا کہ عرب دنیا کے اس ممتاز ملک کو امریکہ کے اثر و نفوذ میں لایا جائے۔

حالیہ برسوں میں خفیہ مسودات کی اشاعت کے بعد یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ اسرائیل اور مصر کے درمیان یہ خفیہ مذاکرات کب سے جاری تھے۔ ۱۹۷۶ء میں ایک اسرائیلی صحافی ماتی گولان نے اپنی کتاب ہنری کیسنجر کے خفیہ مذاکرات ـــ مشرق وسطیٰ میں قدم بہ قدم سفارت کاری" میں ان مذاکرات کے بارے میں اسرائیلی نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ اسی طرح ایک امریکی صحافی ایڈورڈ شیہان کی کتاب "عرب اسرائیلی اور کیسنجر ـــ مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی خفیہ سفارت کاری کی تاریخ" نے امریکہ کے خفیہ کاغذات پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان مسودات کے مطالعے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں پرامن تصفیے کے لئے امریکہ نے جنیوا کانفرنس اس لئے منعقد نہ ہونے دی کیونکہ اس کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ اس میں اسرائیل کی سبکی ہوگی۔ امریکہ کا خیال تھا کہ اگر یہ مذاکرات ناگزیر بھی ہوگئے تو ان میں بھی اسرائیل کے مفادات کی نگرانی کی جائے گی۔ پہلی جنیوا کانفرنس (۱۹۷۳ء) کی ابتدا سے قبل ہنری کیسنجر نے امریکی صیہونی تنظیم کے نمایندوں سے واشنگٹن میں بات چیت کرتے ہوئے ان کو یقین دلایا تھا کہ مذاکرات کے دوران وہ اسرائیلی سرحدوں کو اسرائیل کے زیادہ مفاد میں بنانے میں کامیاب رہیں گے۔ اگرچہ اس ضمن میں ان کو مقبوضہ عرب علاقوں میں کچھ رعایت دینی پڑے گی۔

اسی طرح ہنری کیسنجر نے اسرائیلی حکمرانوں کو یہ بھی باور کرا دیا کہ صحرائے

سینا میں مصر سے فوجوں کی علیحدگی کا دو طرفہ معاہدہ کرنے سے ان کو کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میئر سے کہا تھا کہ فوجوں کی علیحدگی کا معاہدہ اسرائیل کے حق میں ہے۔ اس طرح اسرائیل کو اپنی سرحدوں کا فیصلہ کرنے کی بحث سے نجات حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا، جس سے اسرائیل اور امریکہ دونوں پر سے دباؤ ختم ہو جائے گا اور مصر کے لئے مشکل ہو جائے گا کہ وہ اسرائیل کے خلاف معاندانہ کارروائیاں کرے۔ اسرائیل کے سرکاری ریکارڈ کے مندرجہ بالا اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے یہ قدم بھی اسرائیل کے مفاد میں اٹھایا تھا۔

دوسری جانب امریکہ نے صدر سادات کو بھی راضی کر لیا کہ وہ جنیوا کے امن مذاکرات کے دائرے سے باہر اسرائیل سے فوجوں کی علیحدگی کا دو طرفہ معاہدہ کر لیں۔ اس طرح مصر نے نہ صرف جنیوا کے امن مذاکرات کو ناکام بنایا، بلکہ اس نے تیل برآمد کرنے والے عرب ممالک کو تیل کا ہتھیار استعمال نہ کرنے پر بھی آمادہ کرنے کے لئے کام کیا۔

۱۸ جنوری ۱۹۷۴ء کو مصر اور اسرائیل کے مابین فوجوں کی علیحدگی کا ایک معاہدہ بڑی عجلت میں کیا گیا۔ اگرچہ یہ معاہدہ جنیوا مذاکرات کے دائرے سے باہر تھا تاہم اعلان یہ کیا گیا کہ یہ معاہدہ سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۳۳۸ کے مطابق، اور جنیوا مذاکرات کے دائرے میں "مکمل، منصفانہ اور پائیدار امن کے سلسلے میں پہلا قدم ہے"۔ اس اعلان کے برعکس حقیقت یہ تھی کہ اس طرح مشرق وسطیٰ کو مجموعی معاہدے سے ایک قدم دور لے جایا گیا تھا۔

صدر سادات نے جو نئی سیاسی راہ اختیار کی تھی اس کا عملی مظاہرہ

انہوں نے سوویت یونین اور دیگر سوشلسٹ ممالک سے تعاون کو ختم اور ۱۹۷۱ء کے سوویت، مصر معاہدے کے اصولوں کو بھی پامال کر کے کیا۔

امریکہ کی خواہش تھی کہ ۱۹۷۴ء کے اختتام تک مصر اور اسرائیل میں فوجوں کی واپسی کا ایک معاہدہ ہو جائے۔ امریکہ کی قدم بہ قدم سفارت کاری یہ تاثر دے رہی تھی کہ امریکہ منصفانہ اور پائیدار امن کی جانب بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ امریکہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ اسرائیل کی جانب سے مصر کو غیر اہم اور چھوٹے چھوٹے زمین کے قطعات واپس کر کے مصر کو اپنے جال میں پھانس لے تاکہ مصر اس کا حواری بن کر رہ جائے۔ امریکہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہا۔

لیکن دوسری طرف دنیا بھر کی رائے عامہ یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے حل کے لئے فلسطینی عربوں کے حق خود اختیاری کو مجموعی مسئلے کا ایک حصہ سمجھا جائے۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں رباط میں ہونے والی عرب ممالک کی سربراہی کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ فلسطینی عوام کو یہ حق ضرور ملنا چاہیئے اور یہ کہ فلسطین کی تنظیم آزادی فلسطینی عوام کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس کے فوراً بعد جنرل اسمبلی میں کئی قرار دادیں منظور کی گئیں جن میں فلسطینی عوام کو حق خود اختیاری دیئے جانے کی حمایت کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے حل میں فلسطینی عوام کی شرکت ازبس ضروری ہے۔ فلسطین کی تنظیم آزادی کو جنرل اسمبلی میں مبصر کا درجہ مل گیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ اقوام متحدہ کے تحت ہونے والی تمام بین الاقوامی کانفرنسوں میں پی۔ ایل۔ او شرکت کر سکے گی۔

ان حالات میں امریکہ کے لئے اور بھی ضروری ہو گیا کہ عرب ممالک کے اتحاد میں رخنہ ڈالا جائے۔ چنانچہ امریکہ کی فعال شرکت سے ستمبر ۱۹۷۵ء

میں مصر اور اسرائیل کے درمیان ایک اور معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے نے مصر کو عملی طور پر عرب ممالک کے اتحاد سے کاٹ کر رکھ دیا۔ کیونکہ اس دن کے بعد سے مصر کی پالیسی یہ ہو گئی کہ حملہ آور اسرائیل اور اس کے سرپرست امریکہ کی تعریف کی جائے۔ اس کے عوض امریکہ نے اسرائیل سے وعدہ کر لیا کہ وہ پی ایل او کو نہ تو تسلیم کرے گا' اور نہ اس سے مذاکرات کرے گا اور نہ ہی اس کو جنیوا کانفرنس میں شرکت کرنے دے گا۔

سوویت یونین نے بار بار اس جانب دنیا کی توجہ کرائی کہ علیحدہ معاہدوں سے مشرق وسطیٰ کی صورت حال بہتر ہونے کی بجائے مزید خراب ہو جائے گی۔ سوویت کمیونسٹ پارٹی کی ۲۵ ویں کانگرس سے خطاب کرتے ہوئے لیونڈ برژنیف نے کہا تھا کہ فی الحال مشرق وسطیٰ میں جنگ نہیں ہو رہی ہے۔ تاہم وہاں پرسکون تو کیا امن بھی نہیں ہے۔ اور پھر اس امر کی ضمانت کون دے گا کہ وہاں پر کشیدگی میں اضافہ نہیں ہوگا؟ یہ خطرہ اس وقت تک رہے گا جب تک اسرائیلی افواج عرب علاقوں پر قابض ہیں۔ یہ خطرہ اس وقت تک رہے گا جب تک کہ لاکھوں فلسطینی جن کو بے گھر کر دیا گیا ہے اور جن کے حقوق چھین کر ان کو افسوسناک حالات میں رہنے پر مجبور کیا گیا ہے' جب تک ان کو اپنی ریاست سازی کے حقوق نہیں مل جاتے یہ خطرہ بدستور رہے گا۔ حالات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ جنیوا کانفرنس کے دائرہ کار میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کا حل ازحد ضروری ہے۔ اور اس ضمن میں سوویت یونین کی پالیسی حقیقت پسندانہ اور منصفانہ ہے۔

سوویت یونین نے ہمیشہ ایسے منصفانہ امن کی حمایت کی ہے جو مشرق وسطیٰ کے عوام کے حقیقی مفاد میں ہو اور یہ تصفیہ پرامن مذاکرات کے ذریعے جنیوا کانفرنس میں بخوبی ہو سکتا ہے۔

لیکن دوسری جانب امریکہ پرامن جنیوا مذاکرات کی راہ میں جو رکاوٹیں کھڑی کرتا رہا ہے ان کا ہر کس وناکس کو بخوبی علم ہے۔ زبانی طور پر امریکہ، اسرائیل اور مصر تینوں جنیوا مذاکرات کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ یہ مذاکرات منعقد ہوں۔ مثال کے طور پر ہنری کیسنجر جو قدم بہ قدم ڈپلومیسی کے خالق اور روح رواں تھے، امریکہ کے وزیر خارجہ تھے اور اب پس منظر میں چلے گئے ہیں، کو لیجئے۔ اب چونکہ وہ امریکی حکومت میں عہدیدار نہیں ہیں اس لئے وہ اپنا مافی الضمیر بلا جھجک بیان کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے اس حق کا استعمال کرتے ہوئے قدم بہ قدم ڈپلومیسی اور مصر اسرائیل معاہدوں کے مطابق خفیہ باتیں بہت لطف لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ ٹائمز میگزین میں انہوں نے ایک مضمون تحریر کیا۔ اس مضمون میں انہوں نے صدر سادات کے اس فیصلے کی بہت رطب اللسانی کی کہ انہوں نے جنیوا کی راہ ترک کر کے بہت عقل مندی کا ثبوت دیا کیونکہ سادات۔ بیگن مذاکرات کے علاوہ اور کوئی راہ نہ تھی۔ ہنری کیسنجر نے مزید لکھا کہ جنیوا مذاکرات کے فورم کے طور پر مردہ ہو چکا ہے اور اس کو صرف اس طرح استعمال کیا سکتا ہے کہ مصر اور اسرائیل کے معاہدوں کی توثیق کر دے تاکہ بعد میں دیگر ممالک بھی مذاکرات کی اس راہ پر گامزن ہو جائیں۔

ہنری کیسنجر کے اس مضمون سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ امریکہ کے ذہن میں شروع دن سے جنیوا مذاکرات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ امریکہ کی موجودہ انتظامیہ کی پالیسی بھی یہی ہے۔ صدر جمی کارٹر مصر اور اسرائیل کے علیحدہ معاہدوں کی شدومد سے حمایت کرتے ہیں اور دوسرے عرب ممالک کو بھی یہ راہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ فلسطین کے مسئلے پر بھی جو مشرق

وسطیٰ کے مسئلے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے' کارٹر انتظامیہ اسرائیل کے نقطہ نظر سے مکمل ہم آہنگی کا ثبوت دیتی ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے کہا تھا کہ بیگن نے صدر سادات کو براہ راست اور فلسطینیوں کو بلا واسطہ سیلف گورنمنٹ کی پیش کش کرکے بہت بڑا قدم اٹھایا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ فلسطینیوں کی خودمختار ریاست معرض وجود میں آئے۔ اسی طرح صدر کارٹر نے ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ ان کو اسرائیل کی سلامتی بے حد عزیز ہے۔

کیمپ ڈیوڈ میں امریکہ' مصر اور اسرائیل کے مابین سہ طرفی مذاکرات سے قبل صدر کارٹر نے ای۔ سانڈرز کو وہائٹ ہاؤس اور وزارت خارجہ میں مشرقِ قریب کے امور کے لئے چیف ایڈوائزر مقرر کیا۔ بادی النظر میں تو یہ تقرری معمول کے مطابق اور غیر اہم معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وزیر اور مشیر آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن مذکورہ تقرری بے حد اہمیت کی حامل تھی۔ کیونکہ ای۔ سانڈرز واشنگٹن میں امریکن اسرائیلی عوامی امور کی کمیٹی کے ایک راہنما ہیں۔ یہ کمیٹی واشنگٹن میں بہت بااثر اور اسرائیل نواز ہے۔ امریکی اخبارات نے اس تقرری کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ امریکہ اسرائیل کی حمایت کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔

امریکہ کی پالیسی کے عین برعکس سوویت یونین نے ہمیشہ عرب ممالک اور فلسطینی عوام کی حمایت و تائید کی ہے۔ جنرل اسمبلی کے حالیہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سوویت یونین کے وزیر خارجہ اینڈری گرومیکو نے کہا کہ ہر امن پسند قوم کی طرح سوویت یونین بھی مشرقِ وسطیٰ کی صورت حال سے بے حد پریشان ہے۔ کیونکہ یہ دنیا میں ایک دھماکہ خیز علاقہ ہے جس سے امن عالم کو خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ علاقے میں امن و سکون قائم کرنے کے لئے اسرائیل ان تمام

عرب علاقوں سے اپنی فوجیں واپس بلا لے جن پر اس نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کیا تھا۔ فلسطین کے عرب عوام کے قانونی حقوق جن میں ان کی ریاست سازی کا حق بھی شامل ہے کی ضمانت دی جائے اور مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک بشمول اسرائیل کی بقا و سلامتی کے حق کی بھی ضمانت دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کو چاہیئے کہ وہ فلسطین کے عرب عوام کے مسئلے کو سمجھیں۔ انسانیت کے دفاع کے لئے قراردادیں منظور کرنے کا کیا فائدہ، جبکہ دنیا بھر کی آنکھوں کے سامنے مہاجروں کے انسانی حقوق اور ایک پوری قوم کے حقوق کو بری طرح پامال کیا جا رہا ہو۔

انہوں نے سوویت پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ سوویت یونین کی پالیسی اصولی ہے۔ ہم ایک مجموعی اور منصفانہ تصفیے کی حمایت کرتے ہیں تاکہ مشرق وسطیٰ میں جو ہماری سرحدوں کے نزدیک واقع ہے، پائیدار امن قائم ہو سکے۔ سوویت یونین عرب ممالک کی مکمل حمایت کرتا ہے اور ان معاہدوں کی شدید مذمت کرتا ہے جو ان کے قانونی حقوق کے عوض کئے گئے ہیں۔

اسی طرح سوویت یونین کے وزیر اعظم الیکسی کوسیجن نے اس سال اکتوبر میں شام کے صدر حافظ الاسد کے اعزاز میں دیئے گئے ایک عشائیے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ عرب ممالک کی منصفانہ جدوجہد میں سوویت یونین کی تمام تر ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور سوویت یونین اپنے اختیار میں وہ سب کچھ کرے گا جس سے مشرق وسطیٰ میں امن قائم ہو سکے۔

سوویت وزیر اعظم نے مزید کہا کہ اسرائیل کو ۱۹۶۷ء کے تمام مقبوضہ عرب علاقوں کو خالی کر دینا چاہیے، فلسطین کے عرب عوام کو ان کے قانونی

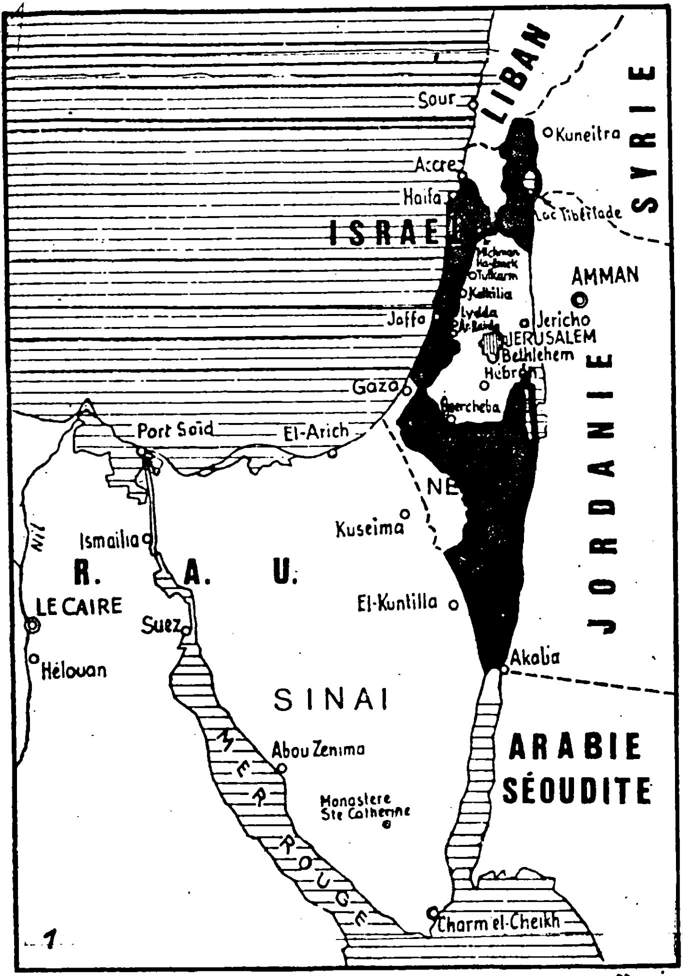

۱۔ تقسیم کا منصوبہ: فلسطین کی تقسیم کا وہ منصوبہ جس کا ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ نے فیصلہ کیا۔

حقوق اور ریاست سازی کے حقوق ملنے چاہئیں اور علاقے کی تمام ریاستوں کو آزادانہ وخود مختارانہ بقا کی ضمانت ملنی چاہیے ۔ مشرق وسطیٰ میں ان بنیادوں پر امن کے قیام کے لئے عرب ممالک ہمیشہ سوویت یونین کی حمایت پر بھروسہ کر سکتے ہیں ۔

باب دوم

یروشلم سے کیمپ ڈیوڈ تک

ایک طرف تو صدر سادات پوری عرب دنیا کے مفادات اور صیہونی طاقت کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہونے والوں کے خون کا سودا کرنے کے لئے جلد از جلد اسرائیل کا دورہ کرنے کے لئے بے چین تھے تاکہ امریکہ سے اس کے عوض کچھ وصولیابی کر سکیں لیکن دوسری جانب اسرائیل کے راہنما اپنے پرانے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔ صدر سادات کی تقریر جس میں انہوں نے پروٹوکول، برابری اور بنیادی سیاسی حقایق کو پس پشت ڈال کر یروشلم کا دورہ کرنے کا یک طرفہ اعلان کیا تھا، اسرائیل میں وزیراعظم بیگن کے بغور مطالعے کے لئے پیش کی جا چکی تھی۔ وزیراعظم نے اپنے قریبی ساتھیوں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد صدر سادات کے دورے کا "خیر مقدم" کرتے ہوئے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کیا:

"اسرائیل صدر سادات کی ان شرائط کو یکسر مسترد کرتا ہے کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء کی سرحدوں پر واپس چلا جائے اور فلسطین کی نام نہاد ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔"

اسرائیلی وزیراعظم بیگن کے اس بیان سے پوری دنیا، بالخصوص عرب ممالک اور عربوں کے بے لوث دوستوں، جن میں سوویت یونین سرفہرست ہے کو اس امر کا واضح طور پر احساس ہو گیا کہ صدر سادات اسرائیل سے علیحدہ

معاہدہ کرنے والے ہیں اور اس میں عربوں بالخصوص فلسطینوں کے مسئلے کے حل کے لئے کوئی مثبت فیصلہ نہیں ہوگا۔ وزیر اعظم بگین کا یہ بیان اسرائیل کی خودسری اور انانیت پسندی کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت تھا۔ اس بیان کے بعد فن سیاست اور سیاسی آداب کا تقاضہ تھا کہ صدر سادات بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے، اور عرب دنیا سے اپنی غلطی کی معافی مانگ کر یروشلم کے دورے کی منسوخی کا اعلان کر دیتے۔

لیکن صدر سادات عرب قوم اور علاقے کے مفادات فروخت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے وزیر اعظم بگین کے اس ذلت آمیز بیان کو نظر انداز کر دیا اور اپنے دورے کی تیاریاں کرتے رہے۔ تاہم اپنی شرمندگی چھپانے کی خاطر انہوں نے خود کو وزیر اعظم بگین کے اس بیان سے لاتعلق ظاہر کرتے ہوئے یہ تاثر پیش کرنے کی کوشش کی کہ وہ امن کی تلاش میں ایک عظیم انسان ہیں جو ایسی باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک نئی اختراع کی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسرائیل اور عربوں کے درمیان جھگڑا ۷۰ فیصد نفسیاتی ہے اور صرف ۳۰ فیصد حقیقی ہے۔ چنانچہ ان کا خیال تھا کہ اگر ۷۰ فیصد جھگڑے پر قابو پالیا جائے تو باقی ۳۰ فیصد پر قابو پانا بے حد آسان ہو جائے گا لیکن مشکل یہ تھی کہ انہوں نے ایک درست بات کا غلط جگہ پر استعمال کیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ہر جھگڑے کی پشت پر کچھ نہ کچھ نفسیاتی عوامل ضرور کارفرما ہوتے ہیں، خواہ وہ ۷ فیصد ہوں یا ۷۰ فیصد۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اگر یہ جھگڑا ۷۰ فیصد محض نفسیاتی ہے تو اس کو صرف یک طرفہ طور پر، جبکہ اسرائیل اس کے لئے تیار نہ ہو اور جھگڑے میں ملوث باقی عرب ممالک بھی، اس کے حل میں شامل نہ ہوں، کیونکر حل کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی بھی جھگڑا

دونوں اطراف کی رضامندی کے بغیر طے نہیں ہو سکتا ۔ اس کے باوجود انہوں نے یکا و تنہا اسرائیل جا کر اس جھگڑے کے تصفیے کا بیڑہ اٹھایا جو ایک انتہائی مضحکہ خیز بات تھی ۔ اور کوئی بھی ذہین راہنما بین الاقوامی سیاست میں اس قسم کے بچکانہ اقدامات سے معجزوں کی توقع نہیں کر سکتا ۔

۱۹ر نومبر ۱۹۷۷ء کا دن عربوں کی تاریخ کا ایک تاریک دن ہے ۔ اس روز ایک عرب نے صیہونیوں کے سرکاری مہمان کی حیثیت سے یروشلم پر قدم رکھا ۔ یہ وہی یروشلم ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول ہے ، یہ وہی یروشلم ہے جو پیغمبروں کا مسکن تھا ، یہ وہی یروشلم ہے جس پر صیہونیوں نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور یہ وہی یروشلم ہے جس کو اسرائیل نے ناجائز طور پر اپنا دار الحکومت بنا رکھا ہے ۔ اس دن اس شہر کی آنکھیں بھی خون کے آنسو رو رہی ہوں گی اور اس کا کلیجہ پھٹا جا رہا ہوگا ۔ کیونکہ یہ شہر برسوں سے کسی صلاح الدین ایوبی کی راہ تک رہا تھا ، جو اس شہر کو آزاد کرنے کی نوید لے کر پہنچے ۔ یہ عظیم شہر کسی انور السادات کے انتظار میں ہرگز نہیں تھا جو غاصبوں سے بھیک مانگنے ان کے در پر جائے جو پوری عرب دنیا اور ان کے ہمدردوں کے سر شرم سے جھکا دے ۔

یروشلم کے لئے روانگی سے قبل مصر کی قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ، اور کئی اخباری انٹرویو اور بیانات میں صدر سادات نے بار بار اپنے اس مؤقف کو دوہرایا کہ وہ اسرائیل جا کر صیہونیوں سے علیحدہ معاہدے کی گفت و شنید نہیں کریں گے بلکہ وہ ایک مجموعی عرب اسرائیل تصفیے کے لئے فلسطین کے مسئلے کا اطمینان بخش حل ازحد ضروری ہے اور اس کا واحد حل فلسطین کی آزاد ریاست کا قیام ہے اور یہ کہ ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ عرب علاقوں پر کوئی سودے بازی نہیں کی جائے گی ۔

یروشلم میں اسرائیل کے وزیر اعظم بیگن اور دیگر عمائدین سلطنت نے

صدر سادات کا پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ استقبال کیا۔ دورے پر روانگی سے قبل بھی صدر سادات نے یہ بات کہی تھی کہ وہ بنیادی عرب مفادات کا سودا نہیں کریں گے، اسرائیل سے نہ تو علیحدہ معاہدے پر گفت و شنید کریں گے اور نہ کسی ایسے معاہدے پر دستخط کریں گے اور یہ کہ ان کے دورے کا مقصد محض برف پگھلانا اور صیہونی راہنماؤں کو عربوں کی امن پسندی سے آگاہ کرنا ہے۔

اگلے روز صدر سادات نے اسرائیلی قومی اسمبلی (نیسٹ) سے خطاب کیا۔ ان کی تقریر انتہائی جذباتی تھی۔ انہوں نے تمام پیغمبروں کا ذکر کرتے ہوئے پانچ نکات پیش کئے اور واضح کیا کہ ان پر کوئی سودے بازی نہیں ہو سکتی۔ وہ نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اسرائیل ۱۹۶۷ء کے تمام مقبوضہ عرب علاقے خالی کردے۔

۲۔ فلسطین کے عوام کو بنیادی حقوق تفویض کئے جائیں جن میں ان کا حق خود ارادی اور ریاست سازی کا حق بھی شامل ہے۔

۳۔ علاقے کے ہر ملک کو محفوظ سرحدوں کے اندر امن وامان سے رہنے کا حق حاصل ہو اور ان سرحدوں کے تحفظ کی ضمانت ہونی چاہیئے۔

۴۔ علاقے کے تمام ممالک اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق آپس میں تعلقات استوار کریں اور طاقت کے عدم استعمال نیز آپس کے جھگڑوں کو پرامن طریق پر حل کرنے کا عہد کریں۔

۵۔ علاقے میں جنگ کی موجودہ صورت حال کا خاتمہ کیا جائے۔

ان پانچ نکات کے ساتھ ساتھ انہوں نے انسانی اقدار اور اسرائیل

کے ساتھ پر... زندگی بسر کرنے کا بے حد جذباتی انداز میں ذکر کیا۔
لیکن طاقت کے گھمنڈ کے نشے میں چور اسرائیلیوں پر صدر سادات کے الفاظ کیا اثر کر سکتے تھے ؟ ان کی تقریر کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا گیا۔ ان کی یہ کوشش بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف رہی۔
اسرائیل میں اس ذلت آمیز سلوک کے باوجود صدر سادات نے وزیر اعظم بیگن سے مذاکرات جاری رکھے۔ اب ان کی اصلیت سامنے آرہی تھی۔ وہ جو کچھ باہر دنیا کے سامنے کہہ رہے تھے، ان کا مقصد ہرگز نہ تھا۔ بلکہ وہ مصر کے لئے اسرائیل سے چند معمولی معمولی رعائتوں کے خواہاں تھے اور چاہتے تھے کہ اسرائیل سے کسی نہ کسی طرح کا معاہدہ طے پا جائے، خواہ یہ معاہدہ کتنا ہی ٹوٹا پھوٹا کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس میدان میں اب اتنا آگے بڑھ چکے تھے کہ ان کے لئے واپسی ممکن نہ رہی تھی۔ بیگن کے سرد رویے نے بھی، ان کے جوش و خروش میں کمی نہ کی اور انہوں نے ڈھٹائی کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھا۔ شاید ان کو یقین تھا کہ ان کی اس پہل کاری پر ان کو دو اطراف سے یعنی امریکہ اور اسرائیل سے رعائتیں مل جائیں گی۔ لیکن ان کی غلط فہمی جلد ہی دور ہو گئی۔
سادات۔ بیگن مذاکرات کو ہم دو مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا مرحلہ تو صدر سادات کا دورۂ یروشلم تھا۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان مذاکرات میں امریکہ شروع ہی سے فعال حصہ لے رہا تھا۔ پہلے تو امریکہ نے اپنی موجودگی پوشیدہ رکھی لیکن پھر کھل کر سامنے آگیا۔
مغربی ذرائع ابلاغ نے صدر سادات کے دورۂ یروشلم کو بہت زیادہ پبلسٹی دی۔ ان کے دورے کو براہ راست کئی ممالک میں ٹیلی ویژن پر دکھایا

گیا، مغربی اخبارات و جرائد نے اپنے پورے پورے ایڈیشن اس کے لئے وقف کر دیئے بلکہ امریکی جریدے ٹائمز نے تو صدر سادات کو "سال کی شخصیت" تک قرار دے دیا۔

لیکن یروشلم کے دورے میں کیا مذاکرات ہوئے ؟ اس کی کہانی بے حد دلچسپ ہے۔ سادات ۔ بیگن مذاکرات محض چند منٹ تک جاری رہ سکے۔ مغربی اخبار نویسوں کے مطابق بیگن نے بڑے سکون سے "سادات منصوبے" کی تفصیلات سنیں۔ اور ان پر قطعاً کوئی اعتراض نہ کیا۔ صدر سادات نے کہا۔ "میں نے آپ کے سامنے ایک جامع منصوبہ رکھ دیا ہے۔ آپ اس کو منظور یا مسترد کر سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں آپ کو منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ کر سکتا ہوں۔ لیکن بنیادی امور پر سودے بازی نہ ہوگی۔ آپ یا تو منصوبے کو مکمل طور پر منظور کریں یا پھر مسترد کر دیں۔ آپ اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق اسرائیل کی سلامتی کے لئے قابل عمل تحفظ اور ضمانت کے خواہاں تھے، وہ میں آپ کو دیتا ہوں۔ کوئی نام کا عرب بھی آپ کو اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔"

وزیر اعظم بیگن نے جواب دیا۔ "مستقبل کے امن کے لئے بنیادی باتوں پر نقطہ نظر یکساں ہونا بے حد ضروری ہے اور اس کے بعد باقی مسائل آسانی سے حل ہو جائیں گے۔"

یہ گویا "سادات منصوبے" کو مسترد کرنے کا اعلان تھا۔ اور اس کے بعد مذاکرات کا یہ دَور ختم ہو گیا۔

تاہم دونوں ممالک اس امر پر رضامند ہو گئے کہ وزارتی اور افسران کی سطح پر باری باری دونوں ممالک میں بات چیت جاری رکھی جائے۔

دسمبر میں وزیر اعظم بیگن نے مصر کا دورہ کیا اور مصر کے شہر اسمٰعیلیہ میں سادات بیگن مذاکرات دوبارہ شروع ہوئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مذاکرات مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں کیوں نہیں ہوئے جبکہ صدر سادات کا دعویٰ تھا کہ امن مذاکرات میں ان کو مصری قوم کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ جب اسرائیل ان مذاکرات کے لئے اپنا غیر قانونی دارالحکومت (یروشلم) منتخب کر سکتا تھا تو مصر کی راہ میں ایسی کونسی رکاوٹ تھی کہ وہ اپنے قانونی دارالحکومت کو مذاکرات کے لئے منتخب نہ کر سکا؟

بات چیت کا دوسرا مرحلہ بھی چند گھنٹوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ وزیر اعظم بیگن نے صدر سادات کو "بیگن منصوبہ" پیش کیا جو صدر سادات کے پیش کردہ منصوبے کے عین برخلاف تھا اور دونوں منصوبوں میں قطعاً یکسانیت نہیں تھی۔ چنانچہ یہ مذاکرات بھی ناکامی پر منتج ہو گئے۔

اسمعیلیہ مذاکرات کی ناکامی کے باوجود فوجی اور سیاسی مسائل پر وزارتی سطح پر گفت و شنید جاری رہی۔ ان مذاکرات میں بھی تعطل پیدا ہوتا اور دور ہوتا رہا۔ تاہم سربراہی مذاکرات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صدر سادات نے مشرق وسطیٰ کے بنیادی مسئلے یعنی فلسطین پر کوئی بات چیت نہیں کی۔ بلکہ فلسطین کی ریاست کے بجائے فلسطینی مہاجرین کو محور گفتگو بنایا۔ کیونکہ بیگن نے اس مسئلے کو زیر بحث لانے سے یکسر انکار کر دیا تھا۔

بعد میں مصر نے سرکاری طور پر سات نکاتی سادات منصوبے کا اعلان کیا۔ اس منصوبے کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ صدر سادات اپنے موقف سے کس قدر پیچھے ہٹ گئے اور ان کا پانچ نکاتی منصوبہ جس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی تھی محض ایک دکھاوا تھا۔ نیا منصوبہ درج ذیل تھا:

۱۔ صحرائے سینا سے ۱۸ ماہ کے اندر صیہونی افواج کی واپسی۔
۲۔ فوجی اہمیت کی بندرگاہ شرم الشیخ کے لئے مشترکہ انتظامیہ یا اس کو پٹے پر دینے کی تجویز کا مسترد کیا جانا۔ تاہم خلیج عقبہ میں ہر ایک کو جہاز رانی کی اجازت ہو گی یا علاقے میں اقوام متحدہ کی افواج تعینات کی جا سکیں گی۔
۳۔ صحرائے سینا سے اسرائیلی افواج کے انخلا کے بعد اسرائیل کی سلامتی کی ضمانت کے طور پر غیر فوجی علاقے میں اضافہ۔
۴۔ معاہدہ طے پانے کے بعد صیہونی آبادیاں تعمیر نہیں ہوں گی
۵۔ صحرائے سینا میں صیہونیوں کے تینوں فضائی اڈے خالی کر دیئے جائیں گے۔
۶۔ غیر فوجی علاقہ صرف مصر کی سرحد پر نہیں ہو گا بلکہ یہ علاقے دونوں ممالک کی سرحدوں پر ہوں گے۔
۷۔ جلد وارننگ دینے والے اسٹیشنوں کی تعمیر۔

اس منصوبے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ صدر سادات نے فلسطین، جولان کی پہاڑیاں، غازہ کی پٹی اور یروشلم کو فراموش کر دیا اور صحرائے سینا کے عوض کل عرب مفادات کا سودا کرنے کی کوشش کی لیکن اسرائیل نے اس منصوبے کو بھی قابل غور نہ سمجھا۔ بلکہ وزیر اعظم بیگن نے جو پانچ نکاتی منصوبہ پیش کیا وہ یہ تھا:

۱۔ صحرائے سینا سے اسرائیلی افواج کی مرحلہ وار واپسی۔
۲۔ صحرائے سینا میں محدود افواج اور ہتھیار والے غیر فوجی اور اقوام متحدہ کی فوج والے علاقوں کا تعین۔

۳۔ اسرائیلی آبادیوں کو قائم رکھنا اور ان کی حیثیت کا تعین
۴۔ صحرائے سینا میں اسرائیلی ہوائی اڈوں کی حیثیت کا تعین
۵۔ سلامتی کے اقدامات پر کنٹرول

دونوں ممالک کے نقطہ نظر میں اس قدر وسیع خلیج دیکھ کر امریکہ نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ امریکہ نے صدر سادات کو واشنگٹن کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ اور حالات کو نرم بنانے اور صدر سادات کی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس نے ایک بیان دیا جس میں کہا گیا تھا کہ صدر کارٹر کو اسرائیلی وزیر خارجہ موشے دایان نے یقین دہانی کرائی ہے کہ اسرائیل مقبوضہ عرب علاقوں میں اپنی تعمیر شدہ بستیاں خالی کر دے گا۔ اس بیان کا شائع ہونا تھا کہ اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی۔ اور موشے دایان فوراً امریکہ پہنچ گئے۔ واشنگٹن میں انہوں نے صدر کارٹر، انتظامیہ کے دیگر سرکردہ شخصیات اور با اثر صیہونی حلقوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور پھر امریکہ کی جانب سے پچھلے بیان میں ایک ترمیم جاری ہوئی۔ جس میں واضح کیا گیا کہ موشے دایان کی یقین دہانی صرف نئی بستیوں تک محدود ہے۔ لیکن آج اس یقین دہانی کا کیا حشر ہوا ہے؟ مقبوضہ عرب علاقوں میں نت نئی بستیاں بسائی جا رہی ہیں اور اس ضمن میں قانون کی اس درجہ خلاف ورزی کی جا رہی ہے کہ اسرائیل کی سپریم کورٹ کو یہ فیصلہ دینا پڑا ہے کہ عربوں کے علاقے زبردستی حاصل کر کے ان پر بستیاں بسانے کا کام غیر قانونی ہے۔

موشے دایان سے امریکی راہنماؤں کی ملاقات کے بعد صدر سادات بھی عازم امریکہ ہوئے۔ انہوں نے صدر کارٹر کی تعریف و توصیف میں بیحد فیاضی سے کام لیا۔ لیکن صدر کارٹر حسب معمول امریکی صیہونی لابی کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے

زبانی طور پر مصر کے موقف کی تائید کی۔ لیکن صدر سادات پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ نتائج حاصل کرنے کے لئے انہیں رعائتیں دینی ہوں گی۔ دوسرے الفاظ میں صدر سادات کو اسرائیل کے سامنے مزید جھکنا ہو گا۔ صدر کارٹر نے مزید کہا کہ اسرائیل پر مزید دباؤ ڈالنا نقصان دہ ہو گا کیونکہ اس سے مشرق وسطیٰ میں امن کی جدوجہد کو دھچکا پہنچے گا۔

اگرچہ امریکہ اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کر کے اعلان کر چکا تھا کہ موشے دایان کی یقین دہانی نئی بستیوں تک محدود ہے تاہم اسرائیل اس سے بھی متفق نہ تھا۔ بیگن اور ان کے دیگر راہنماؤں نے اعلان کیا کہ وہ امریکہ کے اس موقف سے بالکل اتفاق نہیں کرتے اور اس ضمن میں امریکہ کا کوئی مشورہ ماننے کے پابند نہیں ہیں۔

چنانچہ صدر سادات امریکہ سے بھی خالی ہاتھ واپس لوٹے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان کے دماغ سے "ہر قیمت پر امن" کا خیال نہ نکل سکا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صدر سادات کے دورۂ امریکہ کے دوران امریکی اخبارات اس نوعیت کی خبروں سے بھرے ہوتے تھے کہ اسرائیلی رائے عامہ وزیر اعظم بیگن سے بے حد ناخوش ہے کیونکہ انہوں نے مصر کو بہت کچھ دینے کے عوض کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ پھر حالات میں ڈرامائی عنصر پیدا کرنے کے لئے بیگن نے اس موضوع کے سبب مستعفی ہو جانے کی پیش کش کر دی۔

صدر سادات نے امریکہ کی شہ پر جو کھیل کھیلنے کی کوشش کی تھی وہ اس میں بری طرح ناکام رہے۔ یروشلم کا دورہ کرنے سے قبل انہوں نے کینیڈین ٹیلی ویژن سے ایک انٹرویو میں کہا تھا:

"میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ اس کھیل میں "تاش کے ۹۹ فیصد

پتے امریکہ کے ہاتھ میں ہیں۔ کیوں؟ امریکہ اسرائیل کو ہر شے مہیا کرتا ہے۔ نان سے لے کر فینٹم طیارے تک۔ ہر وہ شے جو زندگی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ امریکہ کی بات پر صاد کریں گے میں امریکہ سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اسرائیل سے اپنے خصوصی تعلقات ختم کر دیں بلکہ اگر چاہیں تو وہ اسرائیل سے خصوصی سے بھی زیادہ تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں ....."

۱۹۷۸ء کے اوائل میں صدر سادات کو احساس ہو گیا کہ ان کا کھیل ناکام ہو گیا ہے اور ان کے نمایندے یروشلم میں اسرائیلی نمایندوں سے جو مذاکرات کرتے رہے ہیں وہ بے سود ثابت ہوئے ہیں تو انہوں نے بات چیت ختم کرنے اور اپنے نمائندے واپس بلانے کا اعلان کر دیا۔ ان کی ناکامی منطقی تھی کیونکہ اس کھیل میں ان کے پاس ایک بھی پتہ نہیں تھا اور وہ بقول خود دوسری طاقت کے پتوں پر کھیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اسرائیل جو ہمیشہ سے جارحیت پسند اور خود سر رہا ہے، اس نے مصر کو سپر انداز ہوتے دیکھ کر اپنی پالیسی میں مزید سختی پیدا کر لی۔ وزیر اعظم بیگن کے بیان پر بیان اخبارات میں شائع ہو رہے تھے کہ "ہمیں صحرائے سینا پر قبضہ جاری رکھنے کا پورا پورا قانونی حق حاصل ہے۔" "فلسطین اسرائیل کی زمین کا حصہ ہے۔" "ہمیں پورا پورا حق حاصل ہے کہ (عرب مقبوضہ علاقوں پر) بستیاں تعمیر کریں اور ان میں زندگی بسر کریں۔" اس کے ساتھ ساتھ امریکہ کے برتاؤ میں بھی ایسی ہی تبدیلی پیدا ہوئی کیونکہ امریکہ ہمیشہ اسرائیل کی بات غور سے سن کر اس پر عمل کرتا ہے۔ واشنگٹن میں صیہونی لابی نے جو ہمیشہ اسرائیل کی حمایت میں کمربستہ رہتی ہے، اور امریکی حکومت

کو عرب دشمن پالیسی اپنانے پر اکساتی رہتی ہے' اپنا کام کر دکھایا تھا۔

اسرائیل اور عالمی صیہونی حلقوں کے دباؤ کے تحت امریکہ نے ایک مرتبہ پھر صدر سادات کو اسرائیل کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے پر مجبور کیا تاکہ اسرائیل کی شرائط پر بات چیت جاری کی جاسکے۔ چنانچہ برطانیہ کے مقام لیڈز کیسل میں مصر اور اسرائیل کے وزرائے خارجہ کی ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ یہ ملاقات جولائی ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ اگرچہ اس کا خاتمہ بھی توقع کے عین مطابق ناکامی پر ہوا جس کے بعد مصر کی جانب سے ایک گرما گرم بیان داغا گیا کہ آئندہ اس قسم کی کسی ملاقات کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک اسرائیل اپنے رویے میں "نیا عنصر" پیدا نہیں کرتا۔

بعد میں یہ بیان بھی کاغذی ثابت ہوا۔ جلد ہی اعلان ہوا کہ امریکہ کے قصبے کیمپ ڈیوڈ میں امریکہ' مصر اور اسرائیل کے سربراہان کے درمیان ایک سہ طرفہ چوٹی کا نفرنس منعقد ہوگی۔ اس کانفرنس میں مصر نے شامل ہونے کے لئے کوئی بھی شرط عاید نہیں کی۔

اس طرح اسرائیل اور مصر کے درمیان معاہدہ کرانے کے سلسلے میں امریکہ کھل کر سامنے آگیا۔ اس کے عوض صدر سادات نے اپنے خود غرضانہ مفادات کی خاطر عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی حامی بھر لی اور ان مذاکرات میں خود کو عربوں کا متحدہ راہنما بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان حالات میں مشرق وسطیٰ میں صورت حال بگڑنے لگی اور خدشہ پیدا ہو گیا کہ جنگ کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔

کیمپ ڈیوڈ مذاکرات میں امریکہ' اسرائیل اور مصر نے مشرق وسطیٰ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اپنی توجہ تین امور پر رکھی۔ پہلا یہ کہ کیمپ ڈیوڈ کے

سہ طرفی معاہدے پر فلسطین کے عرب عوام کے مفادات کی بھینٹ چڑھا دی جائے۔ اس ضمن میں وزیر اعظم بیگن نے اخباری بیانات دینے شروع کر دیئے جن میں یہ کہا گیا تھا کہ اسرائیل فلسطینوں کی کسی ریاست کے قیام کی اجازت نہیں دے گا اور پی ایل او سے کسی قسم کے بھی تعلقات قائم نہیں کئے جائیں گے حالانکہ پی ایل او فلسطین کے عرب عوام کی قانونی اور جائز نمائندہ جماعت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ امریکہ نے بھی اپنے پرانے موقف میں تبدیلی شروع کر دی۔ امریکہ نے فلسطینوں کے لئے ایک "گھر" کے پرانے موقف سے انحراف کر کے اس امر ہی کو مسترد کر دیا کہ فلسطینی عربوں کو اپنی ریاست سازی کے لئے حق خود اختیاری ملنا چاہیئے۔ اس سے قبل اسوان میں صدر کارٹر یہ تجویز پیش کر چکے تھے کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے فلسطینی محض "جونیئر پارٹنرز" کی حیثیت سے شامل ہو سکتے ہیں۔ امریکہ نے فوراً ہی پی ایل او کے خلاف سازشوں کا جال بننا شروع کر دیا۔

مصر کی پوزیشن بے حد مضحکہ خیز تھی۔ اولاً صدر سادات نے صدر کارٹر کے "اسوان منصوبے" پر رضامندی کا اظہار کیا۔ بعد میں جب اسرائیل نے اس منصوبے کو یکسر مسترد کر دیا تو مصر کے صدر نے ایک اور تجویز پیش کی کہ وقتی طور پر دریائے اردن کا مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی اردن اور مصر کو واپس کر دیئے جائیں۔ (حالانکہ ان کو یہ تجویز پیش کرنے کا اختیار کسی بھی عرب ملک نے نہیں دیا تھا) اسرائیل نے اس تجویز کو بھی پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور پھر لیڈز کانفرنس میں اسرائیل نے مصر کے سامنے ایک نئی تجویز رکھی کہ فلسطینی عوام کی ریاست سازی کے خطرے کو

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے ایک "علاقائی تصفیہ" کرلیا جائے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اقوام متحدہ میں پی ایل او کے مبصر نے کہا کہ یہ فلسطینیوں کو تباہ کرنے اور توسیع پسندانہ پالیسی پر عمل پیرا ہونے کا ایک بہانہ ہے۔

دوسرا نکتہ یہ تھا کہ ایسے ذریعے تلاش کئے جائیں جن سے عرب علاقوں پر اسرائیل کے ناجائز قبضے کو قانونی شکل دی جا سکے۔

اس ضمن میں وزیر اعظم بگن نے پہلے یہ دعویٰ کیا کہ عرب علاقوں پر اسرائیل کا قبضہ اس لئے ضروری ہے کہ وہاں پر اسرائیل کی فوجی بستیاں قائم ہیں اور بعد میں انہوں نے کہا کہ ان علاقوں میں اسرائیل کی فوجی موجودگی بے حد ضروری ہے اور سب سے آخر میں ان علاقوں میں اسرائیل کے فضائی اڈوں کے موجود ہونے پر زور دیا۔ امریکہ نے اسی نظریے کو دوسرے الفاظ میں پیش کیا۔ امریکہ کا کہنا تھا کہ اسرائیل کی دفاعی لائن (سلامتی) اور عرب ممالک کی قانونی سرحدوں (خود مختاری) کا تعین ہونا ضروری ہے حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ امریکی منصوبے کے مطابق عرب مقبوضہ علاقوں پر اسرائیل کی فوجی پوزیشنوں کی موجودگی کا مقصد یہی تھا کہ مقبوضہ عرب علاقوں کے ایک بڑے حصے پر اسرائیل بدستور قابض رہے۔ صدر سادات نے بھی خفیہ مذاکرات میں اس منصوبے کی حمایت کی۔ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے کیمپ ڈیوڈ مذاکرات کے دوران انکشاف کیا کہ ان سہ طرفی مذاکرات میں امریکی سفارت کاری کا مقصد یہ تھا کہ صدر سادات کو اپنے اخباری موقف اور خفیہ موقف کے تضادات دور کر کے ان کو ہم آہنگ بنانے پر آمادہ کیا جائے۔

اور تیسرا نکتہ یہ تھا کہ امریکہ، اسرائیل اور مصر کی مشترکہ مساعی یہ تھی کہ مشرق وسطیٰ میں سیاسی تصفیے کی جگہ ایک نیا فوجی معاہدہ طے کیا جائے جس کے ذریعہ نہ صرف مشرق وسطیٰ پر اسرائیل کے من پسند فیصلوں کو مسلط کیا جا سکے۔ بلکہ علاقے میں امریکہ کے مفادات، بشمول فوجی مفادات، کو توسیع دی جا سکے۔ امریکی حکومت نے کھلم کھلا ایسے امکانات کا جائزہ لینا شروع کیا جن کے ذریعے مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی فوجی موجودگی کا جواز نکل آئے۔ مثلاً دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں امریکی یا معاہدہ شمالی اوقیانوس (نیٹو) کی افواج کی تعیناتی، صحرائے سینا میں امریکی فضائیہ کے لئے ہوائی اڈے کا قیام، اسرائیل اور امریکہ کے مابین باہمی دفاع کے معاہدے کا طے پانا، مصر کی شمولیت سے تینوں ممالک کے مابین ایک وسیع فوجی معاہدے کی تکمیل، مڈل ایسٹ ٹریٹی آرگنائزیشن (میٹو) کا قیام وغیرہ وغیرہ۔

امریکہ کی یہ پالیسی ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیلی جنگ کے بعد کی پالیسی سے بالکل مختلف تھی۔ جنگ رمضان کے بعد امریکہ نے اپنی مشرق وسطیٰ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ عرب اسرائیل جھگڑے کے علاقے میں بڑی طاقتوں کی براہ راست فوجی موجودگی غیر پسندیدہ ہے۔ مزید براں امریکہ مشرق وسطیٰ کے علاقے میں بیس برس پرانی آیزن ہاور اور ڈلس کی بدنام زمانہ پالیسی کا اعادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اس علاقے کو امریکہ کی فوجی اہمیت کے اڈے میں تبدیل کر دیا جائے۔ تاہم اس پالیسی سے لے شمار اور سنگین بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہونے کے روشن امکانات تھے۔ یہ امر واضح تھا کہ اس علاقے میں امریکی فوجوں کی موجودگی مشرق وسطیٰ کی ہم عصر صورت حال میں دور رس اور خطرناک نتائج و عواقب پیدا کر دے گی۔

جس سے علاقے کی صورت حال مزید دھماکہ خیز ہو جائے گی اور بین الاقوامی امن و سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہو جائیں گے۔

لیکن صدر سادات نے ان تمام حقائق سے صرف نظر کیا۔ انہوں نے کیمپ ڈیوڈ مذاکرات میں علیحدہ معاہدے کی گفت و شنید شروع کر دی جو عرب دشمن اور سامراج کے حق میں تھا۔ تاہم لوگوں کو اصل حقائق سے بے خبر رکھنے کے لئے مذاکرات کے تینوں فریقوں نے اس قسم کے بیانات دینے شروع کئے گویا وہ مشرق وسطیٰ میں امن کی تلاش کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ یہ ان کی غلطی تھی کیونکہ شاید ہی کچھ لوگ ان بیانات سے گمراہ ہوئے ہوں۔ شام کے اخبار التھوارا نے ان بیانات اور کیمپ ڈیوڈ مذاکرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ کیمپ ڈیوڈ میں کھیلا جانے والا کھیل مشرق وسطیٰ اور فلسطینی عوام کے مسائل کا حل نہیں تلاش کر رہا ہے، جن کو اپنے ملک سے باہر نکال دیا گیا ہے۔ اخبار نے مزید لکھا کہ امریکہ اسرائیل کی توسیع پسندی کی حمایت کرتا ہے تاکہ علاقے میں امریکہ کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے۔ اخبار نے صدر سادات کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ان سے صرف ایک بات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے رضامند ہو جائیں۔

کیمپ ڈیوڈ میں عربوں کے خلاف کیا سازش ہوئی۔ اس راز پر سے وقت گزرنے کے ساتھ ہی پردہ اٹھے گا۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے ضمن میں جو دستاویزات شائع ہوئی ہیں ان کا نام ہے ــــ "مشرق وسطیٰ میں امن کے لئے خطوط کار ـــــ" اور ــــــ "مشرق وسطیٰ میں مصر اور

اسرائیل کے درمیان امن معاہدے کے لئے خطوط کار۔"
اس معاہدے پر ستمبر ۱۹۷۸ء میں دستخط ثبت ہوئے ۔ مصر کی طرف سے صدر سادات اور اسرائیل کی جانب سے وزیر اعظم بیگن نے اس پر دستخط کیے ۔ مذاکرات کیمپ ڈیوڈ میں مکمل ہوئے، لیکن معاہدے پر دستخط کی تقریب واشنگٹن میں ادا کی گئی ۔ امریکی صدر جمی کارٹر نے بھی معاہدے پر دستخط کیے ۔ مصر اور اسرائیل نے معاہدے سے متعلق کئی دیگر دستاویزات اور ضمنی مسودات کا تبادلہ کیا ۔ سہ طرفہ معاہدے کے علاوہ اسرائیل اور امریکہ میں بھی علیحدہ سمجھوتہ طے پایا جس میں کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی خلاف ورزی اور تیل کی سپلائی بند کرنے کی خلاف ورزی کی صورت میں اسرائیل کو امریکہ کی جانب سے ضمانتیں مہیا کی گئی تھیں ۔ اس طرح ڈیڑھ برس تک رچایا جانے والا ڈھونگ اپنے اختتام کو پہنچا۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

شق نمبر ایک میں کہا گیا ہے کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف حالت جنگ کا خاتمہ کر دیں گے اور صحرائے سینا سے اسرائیل کے فوجی اور غیر فوجی واپس چلے جائیں گے ۔ معاہدے میں کہا گیا تھا کہ معاہدے کی توثیق کے نو ماہ کے اندر اندر اسرائیلی افواج العریش کے مشرق میں راس محمد لائن تک واپس چلی جائیں گی ۔ اس کے بعد شق نمبر تین فوراً نافذ ہو جائے گی ۔ اس میں مصر اور اسرائیل کے مابین تعلقات کو معمول پر لانے کا ذکر کیا گیا ہے ۔" دونوں ممالک ایک دوسرے کو مکمل طور پہ تسلیم کریں گے، سفارتی، معاشی اور ثقافتی تعلقات قائم کریں گے اور اقتصادی بائیکاٹ کا خاتمہ کر کے امتیازی رکاوٹیں دور کی جائیں گی ۔ تاکہ لوگ اور اشیا

آزادانہ حرکت کرسکیں۔

معاہدے کے دیباچے میں کہا گیا ہے کہ یہ معاہدہ " علاقے میں مجموعی امن کی تلاش اور عرب اسرائیل جھگڑے کے تمام پہلوؤں کے حل کے ضمن میں ایک اہم قدم ہے۔"

واشنگٹن میں معاہدے پر دستخط ثبت کرنے سے قبل اور بعد میں تینوں ممالک کے راہنماؤں نے امن کے متعلق بہت کچھ کہا۔ امریکی صدر نے علاقے میں " ایک نئے دور" کی نوید سنائی " جس میں مشرق وسطیٰ میں جنگ حاوی نہیں رہے گی۔" صدر سادات نے اس کو " محبت کے ایک نئے دور" سے تعبیر کیا۔ جب کہ وزیر اعظم بیگن نے امریکہ، اسرائیل اور مصر کے درمیان " ہمیشہ کے لئے دوستی" کا محاورہ استعمال کیا۔ لیکن یہ خوش رنگ و خوش شکل الفاظ معاہدے میں پوشیدہ خطرات کو چھپانے میں کامیاب نہیں رہے۔ کیونکہ اس نام نہاد معاہدے میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کی جڑ کو حل نہیں کیا گیا۔

مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے کئی پہلو ہیں۔ اولاً عربوں کے علاقے ہیں جن پر اسرائیل نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کر لیا تھا۔ اس چھ روزہ جنگ میں قریباً ۶۰ ہزار کلو میٹر علاقہ اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا جس میں صحرائے سینا، دریائے اردن کا مغربی کنارہ، غازہ کی پٹی، جولان کی پہاڑیاں اور مشرقی یروشلم شامل ہیں۔

ثانیاً فلسطین کا مسئلہ ہے۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ برطانیہ کے زیر انتداب علاقے فلسطین میں دو ریاستیں قائم کی جائیں جن میں سے ایک عرب اور دوسری یہودی ریاست ہو۔

فلسطینی عربوں کی ریاست کا جہاں تک تعلق تھا، یہ قرارداد کاغذات تک محدود رہی۔ اب ان فلسطینیوں کی تعداد ۳۰ لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے اور یہ کئی ملکوں میں بکھرے ہوئے ہیں کیونکہ اسرائیل نے نہ صرف فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا، بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ مثال کے طور پر لبنان میں آباد فلسطینیوں کے کیمپوں پر اسرائیلی افواج کے آئے دن حملے لیجئے۔ اسرائیل کی خواہش ہے کہ ایک پوری قوم کو بزور طاقت صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے تاکہ فلسطین کا کوئی دعویٰ دار باقی نہ بچے۔

چنانچہ مشرق وسطیٰ کا مسئلہ یہ ہوا کہ فلسطین کے عوام کو ریاست سازی کے حقوق سے محروم رکھا گیا ہے، اور ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ عرب علاقوں پر اسرائیل بدستور قابض ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ کیمپ ڈیوڈ معاہدے میں مسئلے کا مجموعی حل تلاش نہیں کیا گیا۔ اس میں شام اور اردن کے مقبوضہ علاقوں کا کوئی ذکر نہیں، اور فلسطین کے مسئلے کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ فلسطین کے عوام کی جائز اور نمائندہ جماعت پی ایل او ہے جس کو اسرائیل تسلیم کرنے سے منکر ہے۔

ان حالات میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کا حل کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی پہنچ سے باہر ہے۔ اگر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۲۴۲ اور ۳۳۸ کی طرف توجہ دلائی جائے تو یہ محض ایک رسمی کارروائی ہوگی کیونکہ مصر اور اسرائیل کے علیحدہ معاہدے کے بعد سے فیصلے غیر موثر ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ بنیادی بین الاقوامی اور قانونی اصولوں کی بنیاد پر کئے گئے تھے اور جن پر امریکہ نے سوویت

یونین کے ساتھ یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کے مشترکہ اعلامیہ میں صاد کیا تھا۔

اب اقوام متحدہ کی مذکورہ بالا قراردادوں اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے تضادات کا ذکر ہو جائے۔ مثال کے طور پر اقوام متحدہ کی قراردادوں میں تمام مقبوضہ عرب علاقوں سے اسرائیلی افواج کے انخلا کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ جب کہ کیمپ ڈیوڈ محض صحرائے سینا کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں غازہ کی پٹی، دریائے اردن کے مغربی کنارے، مشرقی یروشلم، جولان کی پہاڑیوں وغیرہ کا کوئی تذکرہ تک نہیں ہے۔ اس طرح امریکہ اور مصر نے جارح کے عمل کو جائز قرار دیتے ہوئے اس کی ہوس ملک گیری کی حمایت کی ہے۔ وزیر اعظم بیگن نے "نیوز ویک" کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اسرائیل کی اسی پالیسی کا اعادہ کیا تھا۔ "ہم جون ۱۹۶۷ء کی سرحدوں پر کبھی واپس نہیں جائیں گے۔ ہم کسی بھی صورت میں دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غازہ کی پٹی پر فلسطینیوں کی ریاست قائم نہیں ہونے دیں گے اور یروشلم متحد اور ہمیشہ ہمیشہ اسرائیل کا دارالحکومت رہے گا۔"

سب سے اہم بات یہ ہے کہ کیمپ ڈیوڈ کے معاہدے سے صرف دیگر عرب ممالک کے مفادات پر ضرب نہیں پڑتی، بلکہ مصر کی اپنی خود مختاری بھی اس کی زد میں آتی ہے۔ صحرائے سینا کا پورا علاقہ غیر فوجی ہو جائے گا۔ جب کہ اس کے عوض اسرائیل کو کئی فائدے حاصل ہوں گے اور علاقے میں اس کی فوجی برتری کی ضمانت رہے گی۔ اسرائیلی جہازوں کو نہر سویز سے گزرنے اور اسرائیلی طیاروں کو صحرائے سینا پر سے پرواز کی اجازت ہوگی۔ امریکہ نے اسرائیل سے وعدہ کیا کہ صحرائے سینا میں اس کے دو فوجی اڈوں کے بدلے میں صحرائے نیگیو میں اپنے خرچ پر اسرائیل کو دو فوجی اڈے

بنا کر دے گا۔ جب کہ مصر نے وعدہ کیا کہ وہ اسرائیل کو تیل مہیا کرتا رہے گا۔
کیمپ ڈیوڈ معاہدہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف متحدہ عرب محاذ سے مصر کا فرار ہے۔ اس معاہدے سے مصر نے فلسطین کے مظلوم عوام کا حق مارنے کی کوشش کی ہے۔ فلسطینوں کو ان کے حق خود اختیاری دینے کی بجائے جعلی خود مختاری کی پیش کش کی گئی۔ معاہدے کے مطابق، معاہدے کی توثیق کے ایک ماہ بعد مصر اور اسرائیل غازہ کی پٹی اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کے بارے میں "فلسطینوں کی حکومت" پر مذاکرات کریں گے۔ یہ مذاکرات ایک برس میں مکمل کر لئے جائیں گے جب کہ "حکومت" پانچ برسوں میں قائم کی جائے گی۔

اس ضمن میں بیگن منصوبہ حسب ذیل ہے:

"مذاکرات مصری اور اسرائیلی وفود کے درمیان ہوں گے فلسطینی عرب صرف مصری وفد میں شامل ہو سکتے ہیں لیکن پہلے وفد کی تشکیل کی منظوری حاصل کرنا ہو گی۔ یہ قدم اس لئے اٹھایا گیا ہے کہ پی ایل او کے نمائندے اس میں جگہ نہ پا سکیں۔ اسرائیل پی ایل او سے ہرگز مذاکرات نہیں کرے گا۔ اسرائیل پی ایل او کو کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔ پی ایل او کے ممبر ہمیشہ مذاکرات سے باہر رہیں گے۔"

بیگن منصوبے کے مطابق دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غازہ کی پٹی میں فلسطینوں کو "آبادی کی خود مختاری" تو مل سکے گی لیکن "سرزمین کی آزادی" حاصل نہیں ہو گی اور فلسطین کی سرزمین ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یروشلم کی طرح اسرائیل کے قبضے میں رہے گی۔ اس کا اطلاق صرف ان فلسطینوں پر ہو گا جو اس وقت اس علاقے میں رہائش پذیر ہیں اور ۲۵ لاکھ مہاجرین کو واپسی

کی اجازت نہیں ہوگی۔

اس طرح مصر اور اسرائیل نے ایک سازش کے تحت فلسطین کے مسئلے کے حل کے لئے فلسطینی عوام کی واحد اور جائز نمایندہ جماعت کو نمائندگی دینے سے یکسر انکار کردیا۔ پی ایل او کے چیئرمین یاسر عرفات نے کیمپ ڈیوڈ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس معاہدے نے عرب علاقوں پر اسرائیل کے قبضے کو قانونی شکل دے دی ہے' اور فلسطین کے عرب باشندوں کو ہمیشہ کے لئے وطن بدر کردیا ہے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ وہائٹ ہاؤس میں تقریر کرتے ہوئے صدر سادات نے اپنی لکھی ہوئی تقریر میں سے فلسطینیوں کے متعلق پورا ایک پیراگراف حذف کردیا۔ اس طرح مصر نے فلسطینی عوام کی قسمت کا سودا کرکے امریکہ سے معاشی و فوجی امداد حاصل کرلی۔

جداگانہ معاہدے سے اسرائیل کو اتنا کچھ حاصل ہوگیا جس کی وہ توقع بھی نہ کرسکتا تھا۔ اس معاہدے کے بعد اسرائیلی حملے کے نتائج وعواقب کے خلاف جدوجہد کرنے والے عرب ممالک کی صف سے مصر علیحدہ ہوچکا ہے۔ یہ وہ مقصد تھا جس کے لئے امریکہ اور اسرائیل ایک طویل عرصے سے کام کررہے تھے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء کی جنگ سے جو کچھ حاصل نہ کرسکا وہ مصر کی ہتھیار ڈالنے کی پالیسی سے اس کو باسانی مل گیا۔

اس معاہدے نے مصر کی پوزیشن بے حد غیر مساوی بلکہ ایک حد تک ذلت آمیز کردی ہے۔ مصر کو سرائے سینا پر صرف محدود اختیارات حاصل ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ اس کی اپنی سرزمین کا جزولاینفک ہے۔ مزید برآں

ان اختیارات کا انحصار بھی اس امر پر ہے کہ تین برسوں میں اسرائیل صحرائے سینا سے اپنی افواج واپس بلا لے۔ لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ اسرائیل واقعی ایسا کرے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسرائیل کوئی بہانہ بنا کر سینا کا کچھ حصّہ اپنے قبضے ہی میں رکھے یا پھر مصر پر یہ الزام عائد کر کے کہ اس نے معاہدے کے تحت اپنی فلاں فلاں ذمہ داری پوری نہیں کی ہے' اس پر دوبارہ قبضہ کرے۔ اسرائیل کے راہنماؤں کے بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات ناممکن نہیں ہے۔

اسرائیل سے معاہدہ کر کے مصر نے اپنے حلیفوں یعنی عرب ممالک سے ترک تعلق کر لیا ہے۔ اور ایسا کرنا معاہدے کی شق نمبر ۶ میں اس کی ذمہ داری تھی۔ مصر نے ایسا کرتے ہوئے عرب لیگ کی اس قرارداد کو بالائے طاق رکھ دیا جس میں عرب ممالک کو سختی سے منع کیا گیا تھا کہ وہ اسرائیل سے جداگانہ معاہدے نہ کریں۔ اس قرارداد میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس اصول کی خلاف ورزی کرنے والے ملک کی عرب لیگ سے رکنیت ختم کر دی جائے گی۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ قرارداد ۱۹۵۰ء میں مصر ہی کے مشورے پر منظور کی گئی تھی۔

مصر کے عوام اور عالم عرب کے عوام کے سامنے جھک جانے کی پالیسی کو جائز ثابت کرنے کے لئے مصر کے حکمرانوں نے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ مصر عرب لیگ سے کئے گئے تمام وعدوں اور ذمہ داریوں کو پورا کرے گا۔ مثال کے طور پر مصر کی قومی اسمبلی (جو اب توڑی جا چکی ہے) کے سامنے تقریر کرتے ہوئے وزیراعظم خلیل نے دعویٰ کیا کہ اس معاہدے سے اپنے مقبوضہ علاقوں کی بازیابی کی جدوجہد میں شام

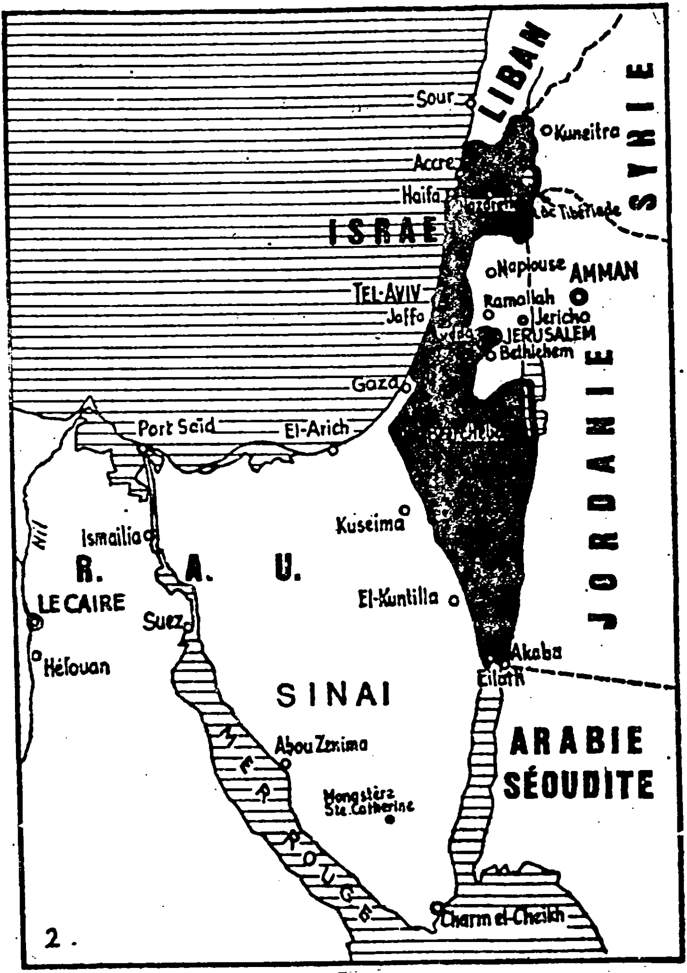

۲۔ اسرائیل کی اصل حدود جو ۱۹۴۹ء کے معاہدہ کے مطابق عمل میں
آئیں اور ۵۔ جولائی ۱۹۴۹ء کے حملہ تک بر قرار رہیں۔

کی مدد کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اسرائیل نے اس بیان کا فوری طور پر نوٹس لیا اور اس پر احتجاج کیا۔ اس پر مصر کے سرکاری ترجمان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وزیر اعظم کا مطلب یہ تھا کہ اگر شام، اسرائیل سے جولان کی پہاڑیوں کی واپسی پر مذاکرات شروع کرنا چاہتا ہے اور اسرائیل ان مذاکرات سے انکار کر دیتا ہے تو مصر کوئی اقدام اٹھائے گا۔ دوسرے لفظوں میں شام بھی پہلے مصر کے نقش قدم پر چل کر ہتک آمیز معاہدے کے لئے اسرائیل سے مذاکرات کرے۔

دوسری جانب اسرائیل اور مصر کا علیحدہ معاہدہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور فیصلوں کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ کیمپ ڈیوڈ اور واشنگٹن میں طے پانے والے دونوں معاہدوں میں اقوام متحدہ کی قرارداد نمبر ۲۴۲ اور ۳۳۸ کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ تاہم اس علیحدہ معاہدے میں ان قراردادوں سے ہرگز کوئی مماثلت نہیں ہے۔

اقوام متحدہ کی ان قراردادوں میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے حل کے لئے طریق کار کی وضاحت کی گئی ہے اور مسئلے کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ تمام متعلقہ فریقین مجموعی تصفیہ کریں۔ کیونکہ اس طرز کا معاہدہ ہی پائیدار اور منصفانہ امن قائم کر سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اتنی واضح اور غیر مبہم قراردادوں کو علیحدہ اور جداگانہ معاہدوں کے لئے مسخ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے باوجود کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے شرکا دیگر عرب ممالک پر بھی زور دے رہے ہیں کہ وہ اسرائیل سے علیحدہ علیحدہ مذاکرات شروع کر دیں اور مصر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسرائیل سے انفرادی معاہدے طے کر لیں۔

جہاں تک اقوام متحدہ کے فیصلوں کا تعلق ہے، بالخصوص جنرل اسمبلی کا یہ فیصلہ کہ فلسطینی عربوں کے ناقابل تنسیخ حقوق کی پاسداری کی ضمانت دی جائے۔ اور تمام ممالک کی شرکت سے ایک امن کانفرنس کے ذریعے مشرق وسطیٰ کے مسئلے کا حل تلاش کیا جائے، جس میں پی ایل او بھی شامل ہو۔ تاہم علیحدہ معاہدے کے وقت امریکہ اسرائیل اور مصر نے پی ایل او کو اس طرح نظر انداز کر دیا گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

لیکن دوسری جانب علیحدہ سمجھوتے کرنے والے ممالک اقوام متحدہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ معاہدے میں اس امر کا تفصیلی ذکر موجود ہے کہ معاہدے کی کامیابی کے لئے اقوام متحدہ کو کیا کرنا چاہیے۔ اس میں ایسی باتوں کا بھی خود ہی فیصلہ کر لیا گیا ہے جن پر فیصلہ کرنے کا حق صرف سلامتی کونسل کو حاصل ہے اور وہ بھی مقررہ طریق کار کے تحت۔

باب سوم

عالمی ردِّعمل

عرب دنیا میں مصر اور اسرائیل کے روابط کی خبر گہرے رنج و غم سے سُنی گئی۔ لوگوں کو اس خبر پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ابتدا میں تو اس کو صیہونی پریس کا ایک پراپیگنڈا سمجھا گیا۔ لیکن جب یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ صدر سادات نے واقعتاً اسرائیل کا دورہ کرنے کی پیش کش کی ہے تو اس کا شدید ردّعمل ہوا۔ ان عرب ممالک میں جو اسرائیل کے خلاف براہ راست برسرپیکار تھے، ان کے حلیفوں اور پی ایل او کا ردّعمل تو بے حد تند اور طوفانی تھا۔

یہ ردعمل توقع کے عین مطابق تھا کیونکہ صدر سادات کا یہ فیصلہ مشترکہ اقدام کے تسلیم شدہ اصولوں کے بالکل منافی تھا۔ اگرچہ ۱۹۷۴ء سے مشترکہ اقدام پر عمل نہیں کیا گیا تھا تاہم عرب دنیا پھر بھی اس امر پر متفق تھی کہ اسرائیل سے جنگ کی صورت میں یہ تمام ممالک یک جان ہو کر دشمن سے جنگ کریں۔ لیکن صدر سادات نے اس اتحاد میں ایک بڑا شگاف ڈال دیا تھا۔

صدر سادات کے دورہ یروشلم سے واپسی پر جب کہ تمام عرب دنیا اور ان کے بہی خواہ ممالک شدید صدمے سے دوچار تھے، عراق کے صدر احمد حسن البکر نے الجزائر کے صدر حواری بومدین، شام کے صدر حافظ الاسد لیبیا کے صدر معمر قذافی، جمہوریہ یمن کے صدر سالم رباعی علی اور پی ایل او

کے سربراہ یاسر عرفات کے نام ایک مشترکہ پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

"صدر سادات نے جو غدارانہ قدم اٹھایا ہے وہ کسی نئی راہ عمل پر ان کا سفر نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہی زنجیر کی اگلی کڑی ہے۔ اس میں حیرت کی بات صرف طریق کار اور وقت ہے۔ شاید ہم یہ پیش بینی نہ کر سکے کہ سادات اس وقت جبکہ دشمن سے انخلا کا وعدہ بھی حاصل نہیں ہوا ہے ایسا قدم اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن کیا ہم نے اندازہ نہیں لگا لیا تھا کہ اگر قرارداد نمبر ۲۴۲ کی بنیاد پر ادر ہونے والے اقدامات کی بنیاد پر تصفیہ ہو جائے تو اس قسم کی کوئی بات ظہور پذیر ہو گی؟

چنانچہ اصل مسئلہ تصفیے کی پالیسی میں ہے۔ کیونکہ یہ پالیسی ایسی ہے جس نے قوم کے سر شرم سے جھکا دیئے ہیں، جو دھوکہ دہی پر مبنی ہے اور جس سے قوم کو مایوسی، انتشار اور احساس شکست کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سادات نے یہ قدم نہ اٹھایا ہوتا۔"

انہوں نے عرب اقوام کو درپیش مسائل کے حل کے لئے مندرجہ ذیل نکات تجویز کئے:

۱۔ ہمیں پانچ ممالک کا ایک قومی محاذ بنانا چاہیئے جس میں عراق، شام، لیبیا، الجزائر اور جمہوریہ یمن شامل ہوں اور اس میں فلسطین کی تحریک مزاحمت کے گروپوں کو نمائندگی حاصل ہو۔ اس محاذ میں ہم سب اپنی سیاسی، فوجی، معاشی، اطلاعاتی اور دیگر قوتوں کو یکجا کر دیں تاکہ عربوں کے موقف میں پیدا ہونے والی خطرناک کمزوری کا ازالہ کر سکیں۔

۲۔ یہ محاذ ایک سیاسی چارٹر کی بنیاد پر قائم کیا جائے جس میں ہم عربوں کے مرکزی مقصد — فلسطین — پر اپنی مشترکہ پوزیشن کی وضاحت کریں۔ ہمارا نقطۂ نظر ہے کہ اس پوزیشن میں ہم موجودہ سمجھوتے کے عمل کو یکسر مسترد کر دیں کیونکہ اس نے عربوں کی پوزیشن کو بے حد کمزور کر دیا ہے۔ ہمیں ایک نیا طریق کار بھی وضع کرنا ہوگا تاکہ ہم سیاسی، فوجی اور اطلاعاتی سطح پر عمل کر سکیں اور فلسطین کی قوم کے تاریخی حقوق کو پس پشت نہ ڈالا جا سکے۔

۳۔ ابتدا ہی سے تمام تر ذمہ داری کے ساتھ ہمیں اپنی سیاسی، فوجی، معاشی اور دیگر ضروری ذمہ داریوں اور وعدوں کا یقین کر لینا چاہیے۔

۴۔ اس محاذ کے قیام اور اس کو موثر قوت بنانے کے لیے تاکہ یہ اپنی تاریخی ذمہ داریوں سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو سکے ہم پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ ہم اپنی سیاسی، فوجی اور معاشی قوت کا بیشتر حصہ اس کے لیے وقف کر دیں اور دیگر کمتر اہمیت کے مسائل پر اتنی توجہ مرکوز نہ کریں۔

۵۔ ہمیں یقین ہے کہ محاذ کے قیام کے ساتھ ہی ہمیں دشمن، سامراج اور علاقے میں اور علاقے سے باہر ان کے ساتھیوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور غالباً لبنان کا علاقہ آنے والے وقت میں دشمن کے شدید اور خطرناک حملوں کا نشانہ بنے گا۔ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ہم فلسطینوں اور لبنان کی محب وطن قوتوں کی مزاحمت میں قوت پیدا کریں تاکہ وہ جنوبی لبنان پر صیہونیوں کے قبضہ کر لینے کے خطرے کا مقابلہ کر سکیں، اور لبنان میں دشمن کے مقامی دستوں

سے دو دو ہاتھ کر سکیں۔

تریپولی کانفرنس

ایسے حالات میں جبکہ عرب دنیا صدر سادات کے عرب دشمن اقدام سے حوصلہ ہار بیٹھی تھی، عراقی صدر احمد حسن البکر کی اس پیش قدمی نے گرتے ہوئے حوصلوں کو سہارا دیا اور تن مردہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ انہوں نے عرب دنیا پر یہ امر واضح کر دیا کہ ان حالات میں واحد راہ عمل یہ ہے کہ عربوں میں فوجی اتحاد ہو، عرب ممالک اپنے موقف پر سختی سے قائم رہیں اور حملہ آور اور غاصب سے نہ کسی قسم کے مذاکرات کریں اور نہ اس کو کوئی رعایت دیں۔ چنانچہ عرب ممالک کی ایک کانفرنس لیبیا کے شہر تریپولی میں منعقد ہوئی۔

تریپولی سربراہی کانفرنس میں جو مشترکہ اعلان جاری ہوا۔ اس میں کہا گیا تھا:

۱۔ صدر سادات کے دورۂ اسرائیل کی مذمت کی جاتی ہے کیونکہ اس دورے سے انہوں نے ہماری مصری بھائیوں اور ان کی افواج کی قربانیوں اور دیگر عرب اقوام کی جدوجہد، قربانیوں اور اصولوں سے دغا بازی کی ہے۔ عرب اقوام کی قومی جدوجہد میں مصری عوام کے عظیم کردار کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ کانفرنس نے اعلان کیا کہ علاقے میں مسئلے کے حل کے لئے مصر کلیدی اہمیت کا حامل نہیں ہے کیونکہ مصر کی عظمت عرب اقوام کی وجہ سے ہے جن کے بغیر مصر کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

۲۔ صدر سادات کے دورۂ اسرائیل، دشمن صیہونی راہنماؤں سے ان کی بات چیت اور اس کے نتائج کو ناکام بنانے کے لئے کام کیا جائے گا۔

اپنی قومی اور عرب ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ رہتے ہوئے کانفرنس ان تمام ممالک کو تنبیہ کرتی ہے جو صدر سادات کی راہ پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں یا اس کی حمایت کرتے ہیں۔

۳۔ مصری حکومت سے سیاسی و سفارتی تعلقات کو منجمد کر دیا جائے، عرب اور بین الاقوامی سطح پر اس حکومت سے ہر طرح کے تبادلے بند کر دیئے جائیں اور مصر کی ان تمام پرائیویٹ کمپنیوں اور اداروں کا بائیکاٹ کیا جائے جو دشمن صیہونیوں سے کاروبار کرتی ہیں۔

۴۔ کانفرنس کے شرکا نے فیصلہ کیا کہ قاہرہ میں ہونے والے عرب لیگ کے کسی اجلاس میں کبھی شریک نہ ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ عرب لیگ کے دیگر ممبران سے اس ادارے میں مصر کی ممبرشپ اور ادارے کے ہیڈ کوارٹر اور دیگر شعبوں کی مصر میں موجودگی پر تبادلۂ خیالات کریں گے۔

۵۔ کانفرنس کے شرکا نے فلسطین کے عرب عوام کے نام مبارکباد کا پیغام دیا جنہوں نے اپنے مقبوضہ علاقے میں مزاحمت کرنے والی تمام تنظیموں کی مدد سے ٹھوس موقف اپنایا ہے اور صدر سادات کے دورۂ یروشلم کو مسترد کر دیا ہے۔ شرکا نے تنبیہ کی کہ پی ایل او کی فلسطینی عوام کی نمائندہ جماعت ہونے کی کوششوں کی مزاحمت کی جائے گی۔

۶۔ شرکا نے عرب ممالک کے ابتدائی ردعمل پر اطمینان کا اظہار کیا کہ انہوں نے صدر سادات کے دورۂ اسرائیل کی مذمت کی اور اس کے نتائج کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے ان ممالک سے کہا کہ وہ ہتھیار پھینک دینے کی پالیسی کے خلاف اقدامات میں شریک ہو کر مصر کی سیاسی و مادی امداد

بند کر دیں۔

۷۔ شرکا نے عرب عوام اور راہناؤں سے اپیل کی کہ وہ شام کی مکمل حمایت کریں جو اب صیہونیوں کا مقابلہ کرنے والا ملک ہے اور صیہونی دشمن کے خلاف جدوجہد کی بنیاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پی ایل او کی بھی معاشی، مالی، سیاسی اور فوجی امداد کریں جو فلسطینی عوام کی نمائندہ ہے۔

۸۔ مصر کے برادر عرب عوام، بالخصوص مصر کی حب الوطن اور ترقی پسند قوتوں کی تعریف کی گئی جنہوں نے دشمن کے سامنے سر جھکانے کی پالیسی کو مسترد کر دیا ہے اور اس کو عوام کی قربانیوں، شہیدوں کے خون اور افواج کی حرمت کے منافی قرار دیا ہے۔

۹۔ شام اور پی ایل او نے صیہونی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک متحدہ محاذ بنانے کا اعلان کیا۔ الجزائر، لیبیا اور جمہوریہ یمن نے اس محاذ میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔

۱۰۔ محاذ کے کسی ملک پر حملہ پورے محاذ پر حملہ تصوّر ہو گا۔

الجزائر کو محاذ کی دوسری کانفرنس کا مقام طے کیا گیا۔ محاذ کے ممالک کے دباؤ کے تحت مشرق وسطیٰ کے وہ ممالک جو امریکہ کے دباؤ کے تحت مصر اور اسرائیل کے علیحدہ معاہدے میں شامل ہونے کے خواہاں تھے اپنی اس کوشش سے باز رہے۔ بلکہ وہ اس معاہدے کی حمایت تک نہ کر سکے۔ عرب کیمپ میں پائے جانے والے غم و غصے سے مصر لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا اور عربوں کی اس پالیسی کا مصر پر اثر انداز ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ ان ممالک کی پالیسی سے مشرق وسطیٰ کی صورت حال پر مثبت اثر پڑا۔

اس ضمن میں عرب ممالک کی پالیسی یوں تھی کہ عراق نے کہا کہ تبدیلی

میں منظور کئے جانے والے اقدامات ناکافی ہیں۔ عراق کے اس وقت کے صدر احمد حسن البکر نے الجزائر، شام، لیبیا اور عوامی جمہوریہ یمن اور پی ایل او کو ایک پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ تمام عرب ممالک کو چاہیئے کہ عرب علاقے میں اس خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی جدوجہد میں اتحاد پیدا کریں۔ عراق کے خیال میں ضروری امر یہ تھا کہ محاذ میں شریک تمام ممالک بنیادی مسئلے (فلسطین) کے بارے میں ایک سیاسی چارٹر تشکیل دیں جس میں مشترکہ پوزیشن کی وضاحت کی جائے اور دشمن سے مسئلے کے پرامن حل کی تمام کوششوں کو مسترد کردیا جائے۔ عراق کے صدر نے اپنے پیغام میں مزید کہا تھا کہ سیاسی حکمت عملی کا تقاضہ ہے کہ دوست ممالک سے یکجہتی میں اضافہ کیا جائے۔ بالخصوص سودیت یونین اور سوشلسٹ برادری کے دیگر ممالک اور ان بین الاقوامی قوتوں کے ساتھ جن کی پالیسی ہمارے نقطہ نظر کے مطابق اور ہمارے مفاد میں ہے۔ عراق نے تریپولی میں منظور کی جانے والی دستاویزات پر دستخط نہیں کئے کیونکہ اس کے خیال میں یہ ناکافی تھے۔ کانفرنس کے نتائج سے اتفاق نہ کرتے ہوئے عراق نے الجزائر کانفرنس میں بھی اپنا وفد نہ بھیجا۔

اس کانفرنس میں جنوبی لبنان پر اسرائیلی حملوں کی بھی مشترکہ اور یک زبان ہو کر مذمت نہ کی جاسکی حالانکہ ہر کس و ناکس کو علم تھا کہ یہ حملے پی ایل او پر ضرب کاری لگانے کے لئے کئے جارہے ہیں۔ صدر سادات کی پالیسی کے مخالفین بھی ان حملوں میں یک زبان نہ ہوسکے اور مصری ذرائع ابلاغ نے اس ناکامی پہ بہت بغلیں بجائیں۔ اس ناکامی پر بھی کئی عرب ممالک میں (مثال کے طور پر لیبیا) بے حد مایوسی کا اظہار

کیا گیا۔

اس کے بعد ایک قابل ذکر کانفرنس مارچ ۱۹۷۹ء میں بغداد میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں عرب ممالک کے وزرائے خارجہ و خزانہ نے شرکت کی اور اسرائیل کی جارحانہ پالیسی، امریکہ کی سازشوں اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے اور مصر اور اسرائیل روابط پر کڑی تنقید کی اور ان کی مذمت کی۔ کانفرنس میں ۲۳ قراردادیں منظور کی گئیں جن میں مصر کی موجودہ حکومت، جس نے اسرائیل سے مذاکرات کر کے علیحدہ معاہدہ کیا تھا اور عربوں کے مجموعی مقاصد کو زک پہنچایا تھا، کے خلاف سیاسی و معاشی پابندیاں عائد کرنے کا عزم کیا گیا تھا۔

بغداد کانفرنس نے عرب لیگ کے ممالک سے کہا کہ وہ مصر سے ایک ماہ کے اندر سفارتی تعلقات منقطع کریں اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط ہونے کی تاریخ سے عرب لیگ میں مصر کی رکنیت ختم کر دی جائے۔

کانفرنس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ قاہرہ سے عرب لیگ کا ہیڈ کوارٹر اور سیکرٹری جنرل کا دفتر تیونس تبدیل کر دیا جائے۔ ان فیصلوں پر کامیابی سے عمل درآمد کرانے کے لئے ایک خصوصی کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں عراق، شام، تیونس، کویت، سعودی عرب، الجزائر اور عرب لیگ کے نمائندے شامل تھے۔

کانفرنس کے ایک فیصلے کے مطابق عرب ممالک کے تمام سرکاری اداروں، ایجنسیوں اور بنکوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ مصر کو کسی قسم کی امداد یا قرضہ وغیرہ فراہم نہ کریں۔ عرب لیگ سے مصر کی رکنیت معطل کر دی گئی اور اس کی رقومات منجمد کر دی گئیں۔ کانفرنس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ مصر کی

ان کمپنیوں، اداروں اور افراد کا بھی بائیکاٹ کیا جائے جو اسرائیل سے براہ راست یا بلا واسطہ تجارتی تعلقات رکھتے ہیں۔

یہ امر بھی واضح کیا گیا کہ کانفرنس نے علیحدہ معاہدے کی پاداش میں جو اقدامات تجویز کئے وہ کم سے کم ہیں اور اگر عرب لیگ کا کوئی ملک ان سے بھی زیادہ سخت اقدامات اٹھانا چاہے تو اس کو ایسا کرنے کی آزادی ہوگی۔

ان فیصلوں پر جلد ہی عمل درآمد شروع ہو گیا۔ تیل برآمد کرنے والے عرب ممالک کی تنظیم نے مصر کی رکنیت ختم کر دی اور اعلان کیا کہ مصر کو عرب ممالک سے تیل برآمد نہیں کیا جائے گا۔

بغداد کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے بیشتر عرب ممالک نے مصر سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے اور قاہرہ سے اپنے اپنے سفیر واپس بلا کر سفارت خانے بند کر دیئے۔ سادات حکومت کے خلاف عرب ممالک کا یہ بے حد موثر حربہ تھا کیونکہ اس طرح عرب لیگ کے تمام ممالک سے مصر کے تعلقات منقطع ہو گئے اور وہ عرب دنیا میں بے یار و مددگار اور یکہ و تنہا رہ گیا۔ صرف سوڈان، اومان اور صومالیہ نے مصر سے تعلقات نہیں توڑے اور ان کے سفارت خانے قاہرہ میں بدستور کام کرتے رہے۔ متحدہ عرب امارات، قطر، کویت اور سعودی عرب نے مصر کو دی جانے والی تمام معاشی امداد بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ تیل برآمد کرنے والے دیگر عرب ممالک نے پہلے ہی یہ امداد بند کر دی تھی۔ یہاں اس امر کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ گزشتہ پانچ برسوں میں مصر کو عرب ممالک سے ۷ اربین ڈالر کی امداد ملی تھی۔

مصر میں بھی سادات بیگن مذاکرات پر شدید رنج و الم کا اظہار کیا گیا۔ اگرچہ مصر کے عوام کو بے خبر رکھنے کے لئے مصر کے ذرائع ابلاغ نے من گھڑت اطلاعات شائع کیں لیکن صدر سادات کے قریبی ساتھی، مصر کے نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ اسمٰعیل فہمی نے صدر سادات کے دورۂ یروشلم کی شدید مخالفت کی اور اپنا استعفیٰ تک پیش کر دیا۔ انہوں نے اپنے استعفے میں لکھا تھا کہ صدر کا دورۂ یروشلم امن کی نوید نہیں لائے گا کیونکہ ایسا کوئی حل جو مشرق وسطیٰ کے جھگڑے کے تمام فریقین کو قبول نہ ہو امن کا پیامبر نہیں ہو سکتا بلکہ صورت حال کو مزید بگاڑ دے گا۔

غیر جانبدار ممالک نے بھی علیحدہ معاہدے کی مذمت کی۔ غیر جانبدار تحریک کے رابطہ بیورو کی جانب سے اپریل میں اقوام متحدہ میں جاری ہونے والے ایک اعلامیے میں کہا گیا کہ غیر جانبدار تحریک جو دنیا کے بیشتر ممالک کی نمائندگی کرتی ہے۔ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے مجموعی حل کی حمایت کرتی ہے اور امریکہ کی ان خواہشات اور کوششوں کی مذمت کرتی ہے کہ فلسطین کے مسئلے کو سرد خانے میں ڈال دیا جائے اور مقبوضہ فلسطین میں نسل پرستانہ، سامراجی اور توسیع پسندانہ پالیسی اپنانے میں جزوی اور علیحدہ سمجھوتوں کے ذریعے اسرائیل کی مدد کی جائے۔ خیال رہے کہ مصر غیر جانبدار کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے اور مرحوم صدر ناصر نے اس تحریک کو اپنے خون جگر سے پروان چڑھایا تھا۔ لیکن اپنی عاقبت نا اندیشانہ پالیسیوں کے طفیل صدر سادات نے مصر کو نہ صرف عرب دنیا، اسلامی دنیا بلکہ تیسری دنیا سے بھی الگ تھلگ کر لیا۔

مراکش کے شہر فیض میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کا دسواں اجلاس ہوا جس میں مصر کی اس پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی گئی۔ اس کانفرنس میں ۴۰ سے زاید اسلامی ممالک اور دس سے زاید بین الاقوامی تنظیموں نے حصہ لیا۔ اجلاس میں ۵۷ قرار دادیں منظور کی گئیں جن میں لبنان میں اسرائیلی جارحیت، نسل پرستی اور نسلی امتیاز کی مذمت کی گئی تھی۔

کانفرنس نے سب سے زیادہ توجہ مشرق وسطیٰ میں اس نئی صورت حال پر مرتکز کی جو مصر اور اسرائیل کے معاہدے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ کانفرنس نے اس معاہدے کو مسترد کر دیا کیونکہ یہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے منافی تھا اور اس میں فلسطین کے عرب باشندوں کے پیدائشی حقوق (وطن واپسی اور حق خود اختیاری کے ذریعے اپنی ریاست کی تشکیل) سے محروم کر دیا گیا تھا۔ کانفرنس نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے میں امریکہ کے کردار کی مذمت کی اور امریکہ کی ان کوششوں پر کڑی تنقید کی جو وہ اس معاہدے کی شقوں کو فلسطینیوں پر ٹھونسنے کے سلسلے میں کر رہا تھا۔ کانفرنس کے شرکاء نے صدر سادات کی بھی شدید مذمت کی کیونکہ وہ مشرق عرب میں سامراج اور صیہونیوں کے کاسہ لیس کی حیثیت سے مصروف کار ہیں۔ اجلاس نے پہلے ہی دن کانفرنس اور اس کی متعلقہ اور ذیلی تنظیموں میں مصر کی رکنیت معطل کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح کانفرنس میں شرکت کرنے کی صدر سادات کی تمام امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

فیض کانفرنس کے فیصلوں نے سادات کی پالیسی کی ناکامی پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ کانفرنس کے بیشتر شرکاء نے اس امر پر زور دیا کہ یہ فیصلہ مصری عوام کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ سامراج اور صیہونیت دشمن فیصلہ ہے

اور اس موضوع پر تمام اسلامی ملک یک زبان ہیں اور وہ صدر سادات کی حکومت کی سامراج اور صیہونیت نواز پالیسی کے مخالف ہیں۔

عرب احتجاج

صدر سادات کے دورۂ یروشلم سے پوری عرب دنیا میں احتجاج، مظاہروں اور جلسے جلوسوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، تاہم یہ احتجاج حد سے زیادہ نہیں بڑھا ہوا تھا اور عربوں نے صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ صرف لبنان میں چند تشدد آمیز واقعات ہوئے۔ غم و غصے کے باوجود عربوں نے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جس سے ان کے اپنے مفادات مجروح ہوتے۔ ان مظاہروں سے ان کا مقصد صرف دنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑنا تھا اور اس ضمن میں وہ بے حد کامیاب رہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مغرب کے ایک تبصرہ نگار نے کہا تھا کہ یہ احتجاجی مظاہرے بڑے بے ساختہ تھے جن سے عوام کے غم و غصے کا بخوبی اظہار ہوتا تھا۔ عراق، شام، لیبیا، یمن، الجزائر، تیونس، مراکش، لبنان، اردن، کویت اور دیگر عرب ممالک کے طول و عرض میں مظاہروں کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو گیا۔ مظاہروں میں شامل ہر شخص کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ صدر سادات کی دھوکہ بازی نے انہیں پژمردہ کر دیا ہے۔ ایسی خبریں بھی موصول ہوئیں کہ مصر میں بھی احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ لیکن مظاہرین پر زبردست تشدد کیا گیا اور ان مظاہروں کی خبر دبا دی گئی۔

عرب نوجوان اور طلباء، ان مظاہروں اور جلوسوں میں پیش پیش تھے۔ ان کی شمولیت نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ اس علاقے کے آئندہ حکمران، جو یقیناً ان طلباء اور نوجوانوں میں سے ابھریں گے، صیہونی دشمن

کا مقابلہ کرنے کے لئے اور بھی زیادہ عزم صمیم سے کام لیں گے اور اسرائیل کی توسیع پسندی کا دل جمعی سے مقابلہ کر کے عرب علاقوں کو اپنی قوتِ بازو سے، اور اپنی عزت نفس مجروح کئے بغیر آزاد کرائیں گے اور ان پر ان کے جائز وارثوں کی بحالی کا کام سر انجام دیں گے۔

عرب دنیا میں اگرچہ مختلف نظریات کے لوگ ہیں اور ان میں مشرقِ وسطیٰ کے مسئلے کے تصفیے کے سلسلے میں بھی مختلف مکتبۂ فکر کے افراد ہیں، تاہم سادات ٹولے کی جھک جانے کی پالیسی کے سب ہی یک زبان ہو کر مخالف تھے۔

صدر سادات اپنے تمام ساتھیوں سے علیحدہ ہو چکے تھے اور پوری عرب دنیا میں ان کی تحقیر کی جا رہی تھی۔ دنیا بھر کے اہم شہروں میں عرب طلبا نے مظاہرے منظم کئے۔ ان میں واشنگٹن، نیو یارک، ماسکو، لندن، پیرس، بیکنگ، سڈنی، ایتھنز، کراچی، لاہور، اسلام آباد، ڈھاکہ، تہران، نئی دہلی اور دیگر شہر شامل تھے۔ ان طلبا نے مختلف ممالک میں مصری سفارت خانوں پر قبضہ کر لیا، کئی کے سامنے دھرنا مار کر بیٹھ گئے یا مظاہرے کئے۔ اہم بات یہ ہے کہ ان مظاہروں میں مصری طالب علم بھی شامل تھے۔ اس طرح انہوں نے قاہرہ کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کر دکھایا کہ اسرائیل سے رابطہ قائم کرنے میں تمام مصری قوم صدر سادات کی پشت پناہی کرتی ہے۔

اس کے علاوہ سیاسی جماعتوں، ٹریڈ یونینوں، پیشہ ورانہ تنظیموں اور خواتین کی تنظیموں، طلبا اور نوجوانوں نے پوری عرب دنیا میں مظاہرے اور جلسے منعقد کئے جن میں صدر سادات کی غداری کی پالیسی کی سخت مذمت کی گئی۔ عرب ذرائع ابلاغ نے بھی واضح اور واشگاف الفاظ میں صدر سادات کے اقدام کو مسترد کر دیا اور عوام کو اس خطرناک پالیسی کے نتائج و

عواقب سے بخوبی آگاہ کیا۔ انہوں نے بجا طور پر لکھا کہ عرب مفادات کے اس "بے شرمانہ فروخت" میں سادات یقیناً ناکام رہیں گے۔

مختلف بین العرب تنظیموں نے بھی صدر سادات کے صیہونیوں سے رابطہ پر شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا اور اس کی مذمت کی۔ عرب کنفیڈریشن آف ٹریڈ یونینز، فیڈریشن آف عرب جرنلسٹس اور دیگر تنظیمیں اس میں پیش پیش تھیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سامراج اور صیہونیت کے خلاف جدوجہد تیز تر کر دی جائے اور اس میں مزید شدت پیدا کی جائے۔ عرب صحافیوں کی کنفیڈریشن نے ان صحافیوں کو اپنی تنظیم سے یک بینی و دو گوش نکال باہر کیا جو صدر سادات کے ہمراہ، ان کے دورے کی خبریں بھیجنے کے لئے یروشلم گئے تھے۔

صدر سادات کی اس عرب دشمن پالیسی کے خلاف عربوں کے مظاہروں اور جلسے جلوسوں کا مختصراً ذکر دلچسپی کا حامل ہے۔

بغداد میں شدید مظاہرے ہوئے۔ عراق کے ایک راہنما جناب طارق عزیز نے ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک سے زیادہ عرب حکومتیں اس دورے کی ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ انقلابی مظاہرہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ سادات کے غدارانہ اقدام کے بارے میں عرب عوام کے جذبات و احساسات کیا ہیں۔

عراق کے دیگر شہروں میں بھی صدر سادات کے خلاف شدید مظاہرے ہوئے۔ مستنصریہ یونیورسٹی میں ایک احتجاجی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے اس خیال کا اظہار کیا کہ صدر سادات کا یہ اقدام عرب قوم پر ایک کلنک کا ٹیکہ ہے۔ مقررین نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل تیس برسوں میں

اور چار جنگوں سے جو کچھ حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے وہ صدر سادات نے اس کو طشتری میں رکھ کر پیش کر دیا ہے۔ انہوں نے صیہونی اسرائیل کو براہ راست تسلیم کرنے کی سند عطا کر دی ہے۔

لیبیا میں بھی مظاہروں میں بڑی شدت رہی۔ لیبیا کے طلبا نے اپنی تقریروں میں اس امر پر زور دیا کہ مقبوضہ فلسطین کا دورہ کرکے صدر سادات نے نسل پرست صیہونی دشمن کو تسلیم کر لیا ہے اور عربوں کے مفادات سے غداری کی ہے۔ لیبیا کے طلباء کی جنرل فیڈریشن نے غیر جانبدار ممالک کے طلباء کے نام ایک اپیل جاری کی جس میں کہا گیا تھا کہ وہ اپنی کانفرنس کا مقام قاہرہ سے تبدیل کر لیں۔ لیبیا کی فیڈریشن نے یہ بھی اعلان کیا کہ اگر یہ کانفرنس قاہرہ میں منعقد ہوئی تو وہ اس میں شرکت نہیں کرے گی۔

رباط میں محمد دی ففتھ یونیورسٹی کے طلباء نے صدر سادات کے دورۂ یروشلم کے خلاف ۴۸ گھنٹے کی ہڑتال کی۔ رباط میں پراگرس اور اور سوشلزم پارٹی نے اعلان کیا کہ صدر سادات کے دورۂ مقبوضہ یروشلم سے یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ وہ مکمل طور پر صیہونی شرائط کے سامنے جھک گئے ہیں اور فلسطین کے مسئلے اور فلسطینی نمایندوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ پارٹی کے سیاسی بیورو نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مقبوضہ فلسطین کا دورہ کرکے صدر سادات نے صیہونی دشمن کی اس خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے کہ نہ تو وہ فلسطین کے عوام، یا پی ایل او کو تسلیم کرے گا اور نہ مقبوضہ عرب علاقے خالی کرے گا۔ پارٹی نے کہا کہ صدر سادات نے عربوں کی عزت نفس اور وقار کو شدید ضرب

لگائی ہے اور سامراج اور صیہونیت کا مقابلہ کرنے کے لئے عرب عوام کو یک جاد متحد ہو جانا چاہیئے ۔

مغربی جرمنی کے شہر مغربی برلن میں ہزاروں عرب طلبار اور محنت کشوں اور ان کے حامیوں نے اس دورے کے خلاف مظاہرہ کیا ۔ مظاہرین کے ایک ترجمان نے کہا کہ یہ دورہ عربوں کے عزت دوقار پر ضرب ہے ۔

پیرس یونیورسٹی میں بھی ایک مظاہرے کا اہتمام کیا گیا جس میں لبنان کے حب الوطنوں کی جدوجہد اور فلسطین کی تحریک مزاحمت کی حمایت کی گئی اور صدر سادات کے دورۂ مقبوضہ فلسطین پر کڑی تنقید کی گئی ۔ عرب بعث سوشلسٹ پارٹی کے ایک نمایندے نے جو مظاہرے میں موجود تھا اس امر پر زور دیا کہ جھک جانے کی پالیسی کے خلاف عربوں کی جدوجہد میں اتحاد پیدا کیا جائے اور سامراجی، صیہونی اور رجعت پسندوں کے سہ طرفہ اتحاد کے خلاف جہاد کیا جائے ۔ اس نے کہا کہ اب جبکہ عرب ممالک کی جدوجہد ایک نئے مرحلے میں داخل ہونے والی تھی، سادات نے عرب مفادات کا سودا کر کے عرب عوام کی پشت میں خنجر بھونک دیا ۔

پیکنگ یونیورسٹی میں غیر ملکی طلبار نے بھی صدر سادات کی شدید مذمت کی ۔ طلبار نے ایک بیان میں کہا کہ اس دورے سے اس امر کی توثیق ہو جاتی ہے کہ عرب علاقوں پر اسرائیل کے ناجائز قبضے کو قانونی شکل دینے اور فلسطین کے عرب عوام کے حقوق کو پامال کرنے کی سازش کی جا رہی ہے ۔ بیان میں مطالبہ کیا گیا کہ اسرائیل تمام مقبوضہ عرب علاقوں کو خالی کر دے، فلسطین کے عوام کے قانونی حقوق تسلیم کئے جائیں اور فلسطین

کی ایک آزاد و خود مختار ریاست قائم کی جائے۔

کینیڈا میں کینیڈین۔عرب دوستی کی انجمن نے بھی اس دورے کی مذمت کی۔ ایک بیان میں انجمن نے کہا کہ اس دورے کا مقصد عربوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ بیان میں مزید کہا گیا کہ مشرق وسطیٰ کا کوئی ایسا حل قابل قبول نہیں ہو سکتا جس میں فلسطین کے عربوں کے جائز اور قانونی حقوق اور تمام مقبوضہ عرب علاقوں سے اسرائیل کا انخلا شامل نہ ہو۔

عرب جرنلسٹ فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل شہاب لازم نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا کہ عرب مفادات سے غداری کے الزام میں صدر سادات پر مقدمہ چلایا جائے۔ یہ تجویز فلسطین جرنلسٹ یونین نے پیش کی تھی۔

شام کے اخبار "فلیش" نے ملک میں مظاہروں کی خبر دیتے ہوئے لکھا کہ دسمبر اور جنوری میں دمشق، الیپو، حما، ہوما، ڈیرا ایزور، عطاکیہ اور ادیب جیسے شہروں میں شدید مظاہرے ہوئے جن میں صدر سادات کے دورے کو رد کر دیا گیا۔ ان مظاہروں میں مصر کے صدر کی پالیسی کے خلاف نعرے بلند کیے گئے۔ دمشق میں ہونے والے مظاہروں سے وزیر اعظم جنرل عبدالرحیم خلیفہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شام کی حکومت امریکہ اور اسرائیل کی شرائط پر کبھی ختم نہیں ہو گی۔ انہوں نے عرب ممالک پر زور دیا کہ وہ سوشلسٹ ممالک اور سوویت یونین، تیسری دنیا کے ممالک اور عالمی جدوجہد آزادی کی تنظیموں سے تعاون میں اضافہ کریں۔

صدر حافظ الاسد کی صدارت میں پروگریسو نیشنل فرنٹ کا ایک اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا جس میں صدر سادات کے دورہ مقبوضہ فلسطین

سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کیا گیا۔ صدر اسد نے تریپولی سربراہی کانفرنس کے بارے میں اور اپنے خلیج فارس کے ممالک کے دوروں پر رپورٹ پیش کی۔ فرنٹ کے راہنماؤں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ جھک جانے والی پالیسی کے خلاف جدوجہد کرتے رہیں گے۔

جنوری میں دمشق میں شام کے صدر اسد، الجزائر کے صدر حواری بومدین اور جمہوریہ یمن کے وزیر اعظم علی ناصر محمد کے درمیان سہ طرفہ مذاکرات منعقد ہوئے۔ جس میں برادر عرب ممالک کے مابین یک جہتی میں اضافے پر زور دیا گیا تاکہ سامراج اور صیہونیت کی تازہ ترین سازش کا مقابلہ کیا جا سکے جس میں صدر سادات نے بھی برابر کا حصہ لیا۔

صدر سادات کے دورۂ یروشلم کے موقع پر شام کی حکومت، نیشنل فرنٹ اور عرب بعث سوشلسٹ پارٹی کا ایک مشترکہ بیان جاری ہوا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ عرب اقوام اور تمام دنیا چند دن قبل یہ اعلان سن کر حیرت زدہ رہ گئے کہ مصر کے صدر دہشت پسند بیگن اور اسرائیلی نیسٹ کے ممبران سے مذاکرات کرنے اور علاقے میں امن قائم کرنے کے لئے اسرائیل کا دورہ کریں گے۔ شام نے مصر کے صدر کے دورۂ شام کے دوران ان کو اس فیصلے سے دستبردار ہونے اور اس پر عمل نہ کرنے پر آمادہ کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ مصر کے صدر کو اس فیصلے کے مضمرات اور عرب دنیا پر اس کے منفی اثرات سے آگاہ کیا گیا۔ ان کو بتایا گیا کہ اس فیصلے پر عمل درآمد سے ہماری قومی جدوجہد اور عرب زمین پر صیہونی قبضے کے خلاف طویل قربانیوں کو شدید نقصان پہنچے گا۔ ان کو عرب ممالک کی صفوں میں انتشار اور شام اور مصر کے مابین

پیدا ہونے والے اختلافات کے نتائج و عواقب سے بھی آگاہ کیا گیا۔ ان کو بتایا گیا کہ اس طرح فلسطین کے مسئلے کو بھی شدید نقصان پہنچے گا۔ اور بین الاقوامی اور عرب دنیا میں مصر کی عزت و وقار پر بھی حرف آئے گا۔ لیکن ان تمام معروضات کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بیان میں صدر سادات کے دورۂ یروشلم کی مذمت کی گئی اور اس کو عرب اتحاد میں انتشار پیدا کرنے کی سازش قرار دیا گیا۔

امریکہ کے جریدے نیوز ویک کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے صدر حافظ الاسد نے کہا کہ صدر سادات کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ اب وہ اسرائیل سے علیحدہ معاہدے کی راہ پر گامزن ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر سادات عرب علاقوں کو بھول کر صرف صحرائے سینا کے بارے میں اسرائیل سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح فلسطین کا مسئلہ مشکلات کا شکار ہو جائے گا۔ مشرق وسطیٰ کی صورت حال صرف صدر سادات کے افعال و اقوال پر منحصر نہیں ہے۔ اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے کی کلید صدر سادات کے پاس ہے تو آپ غلطی پر ہیں۔ ہمیں مصر کے ماضی کے کردار پر فخر ہے۔ لیکن صدر سادات کا یہ بیان کہ مصر کے حکمران کے ہاتھ میں مشرق وسطیٰ میں جنگ اور امن کی کنجی ہے، بالکل غلط ہے۔ یہ امر فراموش نہ کیجئے کہ شام عرب قومیت کا علمبردار ہے اور وہ کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکا ہے۔ شام نہ تو صلیبی جنگوں میں جھکا ہے اور نہ ہی اب صیہونی توسیع پسندوں کے سامنے جھکے گا۔ اسرائیل مقبوضہ عرب علاقوں میں جس تیزی سے بستیاں بسا رہا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی سلامتی سے زیادہ توسیع پسندی

میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مجموعی مسئلے کے حل میں اردن کا بھی اپنا کردار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بھی جھگڑے میں ایک فریق ہے۔ لیکن علیحدہ معاہدوں کے سائے میں اردن کیا کردار ادا کر سکے گا۔ میرے خیال میں موجودہ حالات میں پی ایل او کے سامنے صرف ایک راستہ رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرے اور اپنی آزاد ریاست کے لئے اپنی جدوجہد کو تیز تر کردے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ جدوجہد صرف ہتھیاروں سے ہوتی ہے۔ تاریخ میں جدوجہد صرف ہتھیاروں ہی سے نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ فوجی، سیاسی معاشی وغیرہ۔ مجھے نہیں پتہ کہ پی ایل او کیا راستہ اپنائے گی کیونکہ یہ میری نہیں پی ایل او کی ذمہ داری ہے۔ ترپولی کی سربراہی کانفرنس مسترد کرنے والوں کا محاذ نہیں بلکہ ڈٹ جانے والے عرب ممالک کا محاذ ہے ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم پسپا نہیں ہوں گے بلکہ صیہونی حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔ سادات کے اقدام کی حمایت سے امریکہ امن کے مقاصد کی خدمت نہیں کر سکتا۔

معاہدے کی پہلی سالگرہ

اس سال ستمبر میں کیمپ ڈیوڈ معاہدے کو ایک برس مکمل ہوگیا۔ مصر میں صحرائے سینا میں بڑے زوروشور سے اس کی سالگرہ منائی گئی۔ لیکن دوسری طرف وہائٹ ہاؤس میں روزانہ کی بریفنگ کے دوران اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کو جان بوجھ کر بھلانے کی کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں امریکہ کی پوزیشن سمجھ میں آتی ہے۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی سالگرہ منانے کا مطلب یہ ہوتا کہ امریکہ مشرق وسطیٰ

کی اقوام پر اپنی مرضی ٹھونسنے کی پالیسی کی ناکامی کی تلخ یادوں کو ازسرنو تازہ کرے اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی جانب دنیا بھر کے عوام کی توجہ ایک مرتبہ پھر مبذول کرائے۔ جس معاہدے کو برطانوی جریدے مڈل ایسٹ انٹرنیشنل نے "تباہی کا فارمولا" قرار دیا تھا۔

صرف امریکہ کے اخبار نیویارک ٹائمز نے، جو اپنی صیہونیت نوازی کی وجہ سے بدنام ہے، کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی پہلی سالگرہ پر ایک مضمون شائع کرنے کا تکلف کیا۔ اخبار نے معاہدے کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے لکھا کہ اس کی وجہ سے مشرق وسطیٰ میں جنگ نہیں ہے اور امریکہ، اسرائیل اور مصر کے مابین افہام و تفہیم پائی جاتی ہے۔

حالات پر نظر رکھنے والے فہیم افراد سے حقایق پوشیدہ نہیں ہیں۔ اگر مشرق وسطیٰ میں جنگ نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوا کہ وہاں پر امن ہے۔ پھر مشرق وسطیٰ میں جنگ موجود تو ہے۔ جنوبی لبنان کیوں خون خون ہے۔ اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بعد جنوبی لبنان پر اسرائیلی حملوں میں کیوں شدت آگئی ہے۔ لبنان پر اسرائیلی حملے اور لبنان کے دائیں بازو کے علیحدگی پسندوں کی اسرائیلی حمایت کیمپ ڈیوڈ معاہدے کا براہ راست نتیجہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ عربوں کو منتشر کردیا جائے اور فلسطین کی تحریک مزاحمت کو بالکل ختم کردیا جائے۔

جہاں تک نیویارک ٹائمز کا یہ کہنا ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور مصر کے مابین افہام و تفہیم پائی جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے درمیان یہ افہام و تفہیم عرب ممالک کے خلاف سازش کے ضمن میں پائی جاتی ہے۔ کیمپ ڈیوڈ

سمجھوتے کے ایک برس کے دوران یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ معاہدے کا مقصد علاقے میں ایک نیا فوجی اور سیاسی بلاک بنانا تھا جو امریکہ کے فوجی اور معاشی مقاصد کی تکمیل کرے گا، اور اس کا مقصد علاقے میں منصفانہ اور پائیدار امن کا قیام ہرگز نہیں۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدے اور واشنگٹن میں اسرائیل سے دو طرفہ معاہدے کے وقت مصر نے افریقہ میں امریکہ کے خیمہ بردار کا کردار ادا کرنے کی حامی بھری تھی اور اب وہ مشرق وسطیٰ میں امریکی پولیس مین کا کردار ادا کر رہا ہے، جو کسی زمانے میں سابق شاہ ایران کے حوالے تھا۔ لیکن "بادشاہ کے تمام گھوڑے اور بادشاہ کے تمام آدمی" ایران میں انقلاب کی راہ نہ روک سکے۔

اس ایک برس کے دوران یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ فلسطینی عوام کے بارے میں امریکہ کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی حالانکہ فلسطین کے مسئلے کے حل کے بغیر مشرق وسطیٰ میں کوئی معاہدہ، کوئی امن، کوئی سمجھوتہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس کی بہترین مثال اقوام متحدہ میں امریکی سفیر اینڈریو ینگ کا استعفیٰ ہے۔ ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں کیونکہ انہوں نے فلسطینیوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اس رابطے پر امریکہ میں صیہونی لابی اور صیہونی اخبارات نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اور امریکی حکومت سے وضاحت طلب کر لی۔ چنانچہ امریکہ نے فوری طور پر ینگ کی قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا اور اعلان کیا کہ سلامتی کونسل میں فلسطینیوں کے حق میں کوئی قرارداد منظور نہیں کی جا سکے گی۔ اس طرح امریکہ نے اسرائیل کی حمایت کا مظاہرہ کیا، وہی مظاہرہ جو کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے میں کیا گیا تھا۔

ستمبر ہی میں امریکہ میں اسرائیل اور مصر کے مابین مذاکرات ہوئے تاکہ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کو عملی جامہ پہنانے کی رفتار پر غور وخوض کیا جائے۔ تینوں متعلقہ ممالک کے ذرائع ابلاغ نے ان مذاکرات کو "قابلِ ذکر کامیابی" سے تعبیر کیا۔

درحقیقت یہ کامیابی ان کے لئے ہو سکتی ہے جنہوں نے فیصلہ کر لیا ہو کہ مشرق وسطیٰ کے اصل مسئلے کو پس پشت ڈال دیں گے، جو مصر کو دیگر عرب ممالک سے علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو فلسطین کے مسئلے کے حل سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، بلکہ تیل کی بلا رکاوٹ سپلائی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور ان مذاکرات نے یہ راہ ہموار کر دی ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ مغربی یورپ میں بھی امریکہ کی ان کوششوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جا رہا ہے۔ یہ ممالک اپنی تیل کی ضروریات کا ۸۰ فیصد مشرق وسطیٰ کی سپلائی سے پورا کرتے ہیں۔ یہ ممالک امریکہ کی ان یک طرفہ کوششوں سے بے تعلق نہیں رہ سکتے جو وہ تیل پیدا کرنے والے علاقے پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لئے اور اسرائیلی راہنما جو اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کی تکمیل کے لئے علاقے کو زبردست دھماکہ خیزی سے دوچار کر کے کر رہے ہیں۔

اس امر کے بھی ثبوت ملے ہیں کہ امریکہ میں بھی ان خطرناک کھیل کی مخالفت شروع ہو چکی ہے۔ لیبیا کی خبر رساں ایجنسی جانا کے مطابق امریکی صدر جمی کارٹر کے بھائی جمی کارٹر نے لیبیا کے دورے کے دوران اعلان کیا ہے کہ امریکی ذرائع ابلاغ پر صیہونیوں کے قبضے کے باوجود ان کے ملک میں عوام کا موڈ آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہا ہے اور اب وہ عرب اقوام کی جانب جھکاؤ کے حامل ہوتے جا رہے

ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اقوام متحدہ میں امریکی سفیر اینڈریو ینگ کے استعفیٰ کے بعد یہ امر مزید واضح ہو گیا ہے' اور اس واقعے سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ امریکہ میں صیہونی حلقوں کو کس قدر طاقت حاصل ہے۔

اس ضمن میں واشنگٹن پوسٹ میں ایس۔ روزن فیلڈ کے ایک مضمون کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اسرائیل کا ایک ماہ کا دورہ کرنے کے بعد ان پر انکشاف ہوا کہ ایسی بنیادی تبدیلیاں آ چکی ہیں جو تل ابیب کے لئے حقیقی طور پر خطرے کا باعث ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ اسرائیل کون ہوتا ہے جو امریکہ کو خارجہ پالیسی کی راہ کا تعین کرنے کی ہدایت کرے' اور یہ کہ مشرق وسطیٰ میں مشکلات کا سبب پی ایل او نہیں' بلکہ اسرائیل ہے جو کیمپ ڈیوڈ کے بعد سے صاف ظاہر ہوتا چلا آیا ہے۔ اور یہ کہ اگر تیل کی سپلائی میں کوئی رکاوٹ پڑی تو اس کا ذمہ دار پی ایل او نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا۔ انہوں نے لکھا کہ امریکیوں کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد اس نتیجے پر پہنچتی جا رہی ہے کہ انصاف کے تقاضے اور تیل کے مفادات کا اس وقت تک تحفظ نہیں ہو سکتا جب تک کہ فلسطین کے مسئلے کو مشرق وسطیٰ کے جھگڑے کے حل میں بنیادی حیثیت نہیں دی جاتی۔

اسی طرح مغربی جرمنی کے ایک اخبار "فرینک فرٹ الگیمائن" نے لکھا۔ "امن سمجھوتے' جن کے متعلق یہ بات بھی غیر یقینی ہو کہ وہ واقعی امن کے پیامبر بھی ہوں گے یا نہیں' ماضی میں بھی طے ہوئے ہیں۔ اسی طرح کا ایک معاہدہ مصر اور اسرائیل کے مابین ہوا ہے جس کو ساری دنیا میں ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ غالباً تاریخ میں اس سے قبل ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔"

باب چہارم

سوویت یونین اور مشرق وسطیٰ

سوویت یونین کے عوام نے قاہرہ کے خلاف عرب ممالک کی سیاسی و معاشی پابندیوں کا خیر مقدم کیا۔ یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ان فیصلوں کی وجوہات مصری صدر کی ہتھیار پھینکنے کی پالیسی ہے، جو ان کے ضمیر کی خلش بن کر رہ گئی ہے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سوویت اخبار پراودا میں تبصرہ نگار اے پیٹروف نے لکھا کہ صدر سادات نے ایک ایسے نام نہاد امن معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔ جو کسی بھی صورت میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کا حقیقی حل نہیں ہو سکتا۔ صدر سادات نے نہ صرف عرب ممالک بلکہ مصری عوام کے مفادات سے بھی صرفِ نظر کیا ہے۔

سوویت خبر رساں ایجنسی نووستی کے تبصرہ نگار ایگزنڈر لیبو رنیتف نے معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ درحقیقت کیمپ ڈیوڈ میں طے پانے والے سہ طرفی معاہدے نے نہ تو زمین کا جھگڑا طے کیا ہے اور نہ ہی فلسطینی عوام کا مسئلہ طے کیا ہے جو بجا طور پر حق خود اختیاری کی بنیاد پر اپنی ریاست تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ معاہدے نے امریکہ کو یہ موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ تین براعظموں کے نقطہ اتصال پر اپنی فوجی موجودگی کو مزید مضبوط بنائے، اسرائیل اور مصر کو فوجی اعتبار سے مضبوط بنائے اور جارح

اور جارحیت کے شکار دونوں ملکوں کو اپنی سامراجی پالیسی کی تکمیل کے لئے استعمال کرے۔ کیمپ ڈیوڈ کے طرز کا امن ایک ایسا معاہدہ ہے جس کے ذریعے قاہرہ اور تل ابیب نے یہ وعدہ کرلیا ہے کہ وہ علاقے میں امریکی مفادات کے نگران بن جائیں گے۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی دستاویزات دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ مشکوک ترین کاغذات ہیں۔ ایران میں انقلاب کی کامیابی اور معاہدہ سنٹو کے خاتمے کے بعد امریکہ علاقے میں ایک نیا فوجی معاہدہ بنانا چاہتا تھا اور اس ضمن میں اس نے مشرق وسطیٰ میں اپنی فوجی موجودگی کو چھپانے کے لئے " امن معاہدہ " جیسے خوبصورت الفاظ استعمال کئے ہیں۔

سوویت عوام عرب ممالک کے مقاصد کی حمایت کرتے ہیں اور مصری راہنماؤں کی جھک جانے کی پالیسی کی مذمت کرتے ہیں۔ کیونکہ اس علاقے میں قومی جدوجہد آزادی میں مصروف عرب اور دیگر اقوام کی جدوجہد کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ جس کو اسرائیل کے اس وقت کے وزیر اعظم موشے دایان نے " امریکہ، اسرائیل اور مصر کے درمیان معاہدہ " قرار دیا تھا، بلاشک وشبہ سوویت یونین کے خلاف ہے۔ مشرق وسطیٰ کا علاقہ امریکہ سے دس ہزار کلومیٹر دور ہے۔ لیکن سوویت یونین کی سرحدیں اس سے بالکل قریب ہیں۔ اگر اس علاقے میں امریکہ اپنے فوجی اڈے قائم کرتا ہے تو ان سے سوویت مفادات کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ۳۴ ویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سوویت یونین کے وزیر خارجہ اینڈری گرومیکو نے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے اور مشرق وسطیٰ کے مسئلے پر سوویت پالیسی کا احاطہ کرتے ہوئے کہا:

"ہر امن پسند کی طرح سوویت عوام بھی مشرق وسطیٰ کی صورت حال پر بے حد پریشان ہیں۔ یہ دنیا کا ایک "گرم ترین نقطہ" ہے جس سے امن کو خطرہ لاحق ہے۔

"اگر مسئلے کے تمام غیر بادی پہلو نکال دیئے جائیں تو مسئلہ صرف یہاں تک رہ جاتا ہے کہ آیا عرب ممالک اور اقوام کے خلاف جارحیت کے نتائج وعواقب کا خاتمہ کر دیا گیا ہے' یا حملہ آوروں کو دوسری اقوام کی زمین ہتھیا لینے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

"مشرق وسطیٰ میں ایک منصفانہ تصفیے اور ٹھوس امن کی ضمانت کے لئے اسرائیل ۱۹۶۷ء کے تمام مقبوضہ عرب علاقوں کو خالی کر دے۔ فلسطین کے عرب عوام کے قانونی حقوق' جن میں ان کی اپنی ریاست کے قیام کا حق بھی شامل ہے' کی ضمانت دی جائے اور مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک' جن میں اسرائیل بھی شامل ہے' کے آزادانہ اور پرامن بقا کی ضمانت بھی دی جائے

"مصر اور اسرائیل کے درمیان علیحدہ معاہدے سے کچھ بھی حل نہیں ہوا ہے۔ یہ اقوام کی بیداری کو کمزور کر دینے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ ایک ذریعہ ہے تاکہ مزید دھماکہ خیز مواد جمع کر لیا جائے جس سے مشرق وسطیٰ میں ایک نیا دھماکہ کیا جا سکے۔ وہاں کشیدہ سیاسی صورت حال کے ساتھ ساتھ تیل کی خوشبو بھی پھیل رہی ہے۔۔۔

"مشرق وسطیٰ کے سوال پر سوویت یونین اصولی پالیسی

پر کاربند ہے۔ ہم مشرق وسطیٰ میں مجموعی اور منصفانہ تصفیے کی
حمایت کرتے ہیں جس سے علاقے میں پائیدار امن قائم ہو۔
اس علاقے میں جو ہماری سرحد سے زیادہ دور نہیں ہے۔
سوویت یونین مضبوطی کے ساتھ عرب اقوام کی حمایت کرتا ہے
جو ان معاہدوں کی مذمت کرتے ہیں جو ان کے جائز مفادات
کے عوض کئے گئے ہیں۔"

اس سے قبل جون ۱۹۷۹ء میں ماسکو میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اینڈری گرومیکو نے کہا تھا کہ ویانا کے سربراہی مذاکرات میں مشرق وسطیٰ کے سوال پر سوویت یونین اور امریکہ کے موقف میں اختلاف تھا۔ امریکہ کے خیال میں سوویت یونین کو مصر اسرائیل علیحدہ سمجھوتے کی حمایت کرنا چاہیے تھی۔ انہوں نے پرزور لہجے میں کہا کہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سوویت یونین کبھی بھی اس نقطہ نظر سے متفق نہیں ہو سکتا۔ مذاکرات میں لیونڈ بریژنیف نے سوویت یونین کے اصولی موقف کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ سوویت یونین کی جانب سے اس عرب دشمن معاہدے اور اس پر عمل درآمد کئے جانے والے کسی انتظام کی حمایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے بتایا کہ مشرق وسطیٰ کے معاملات پر سوویت یونین کا موقف وہی ہے اور وہی رہے گا جو کئی برس پہلے تشکیل دیا گیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شام کے صدر حافظ الاسد نے سوویت یونین کا دورہ کیا۔ ان کے اعزاز میں دیئے گئے ایک عشائیے میں تقریر کرتے ہوئے سوویت یونین کے وزیر اعظم اینکسی کوسیجن نے کہا کہ ماضی کے برسوں کے دوران میں مشرق وسطیٰ میں کشیدگی کم نہیں ہوئی ہے۔ اس کا الزام سدبیے

پہلے اسرائیل پر آتا ہے۔ جو صدیوں پرانی عرب بستیوں کا اسرائیل کے ساتھ مسلسل الحاق کیے چلا جا رہا ہے۔ لیکن مشرق وسطیٰ کی موجودہ صورت حال کی ذمہ داری ان پر بھی عاید ہوتی ہے جو جارح کے ہاتھوں میں ہتھیار دیتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں۔ یا پھر یہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں کے حضور میں پیش ہوتے ہیں اور ان کی قدم بوسی کرتے ہیں۔

اس دورے کے اختتام پر جو مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا اس میں کہا گیا تھا کہ دونوں ملک مشرق کے منصفانہ جامع حل کے لئے کی جانے والی جدوجہد کو مشترکہ طور پر جاری رکھنے کے عزم کی از سر نو تصدیق کرتے ہیں۔ اعلامیہ میں مزید کہا گیا کہ علیحدہ معاہدوں کی زمین بوسی کی پالیسی سے دستبرداری کے بعد ہی مسئلے کے جامع حل کی راہ پر گامزن ہونا ممکن ہو سکتا ہے۔

جون ۱۹۷۹ء میں وی آنا میں ہونے والی سوویت امریکی سربراہی کانفرنس میں سوویت یونین کے صدر اور کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری لیونڈ برزنیف نے امریکی صدر کو بتایا کہ مصر اور اسرائیل کے معاہدے کے نتیجے میں علاقے کی صورت حال میں کوئی سکون پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ اس نے اسے مزید نازک اور خطرناک بنا دیا ہے۔

مارچ ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین کے وزیر خارجہ اینڈری گرومیکو نے شام کا دورہ کیا۔ دورے کے اختتام پر جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ بات چیت کے دوران امریکہ کی عملی شرکت سے اسرائیل اور مصر کے درمیان ایک جداگانہ معاہدہ طے پا جانے کے باعث مشرق وسطیٰ میں رونما ہونے والی خطرناک تبدیلیوں پر خصوصی توجہ دی گئی اور فریقین نے اس معاہدے

کو مصری عوام سمیت تمام عربوں کے مفادات کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کی سختی کے ساتھ مذمت کی۔ انہوں نے اس بات پر یقین کلی کا اظہار کیا کہ اس معاہدے کا مقصد بیت المقدس نے مشرقی حصے پر اسرائیلی قبضہ سمیت ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کی جانب سے غصب کی گئی تمام عرب زمینوں پر اس کے قبضے کو دائمی بنانا اور فلسطین کے عرب عوام کو ان کے قومی حقوق کے استعمال سے باز رکھنا ہے۔ اس نے اس علاقے میں کشیدگی میں مزید اضافہ کیا ہے اور مشرق وسطیٰ میں ایک منصفانہ امن کے قیام کی راہ میں ایک سنگین رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔

فریقین نے اس امر پر بھی یقین کا اظہار کیا کہ جداگانہ معاہدوں کی پالیسی کو ترک کر دینے سے فلسطینی عربوں کی واحد نمایندہ جماعت پی ایل او سمیت تمام متعلقہ فریقوں کی اجتماعی کوششوں کی بنیاد پر اس قسم کے حل کی راہ ہموار ہو جائے گی جن میں ۱۹۶۷ء میں غصب کئے گئے تمام عرب علاقوں کی واپسی اور فلسطینی عربوں کے ریاست سازی کے حقوق شامل ہیں۔

اعلامیہ میں سوویت یونین اور شام نے علیحدہ معاہدوں کے طرز عمل کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا اور اعلان کیا کہ ان معاہدوں سے صرف اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس جانب بھی واضح طور پر اشارہ کیا گیا کہ اسرائیل مصر معاہدے کی آڑ میں سامراجی قوتیں مشرق وسطیٰ میں فوجی اعتبار سے اپنی موجودگی کو توسیع دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ انہوں نے مصری قیادت کے اطاعت پذیر طرز عمل کی مذمت کی جس نے عرب اور افریقی اقوام کی جدوجہد کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

فریقین نے اس بارے میں گہرا یقین ظاہر کیا کہ رونما ہونے والی تبدیلیوں

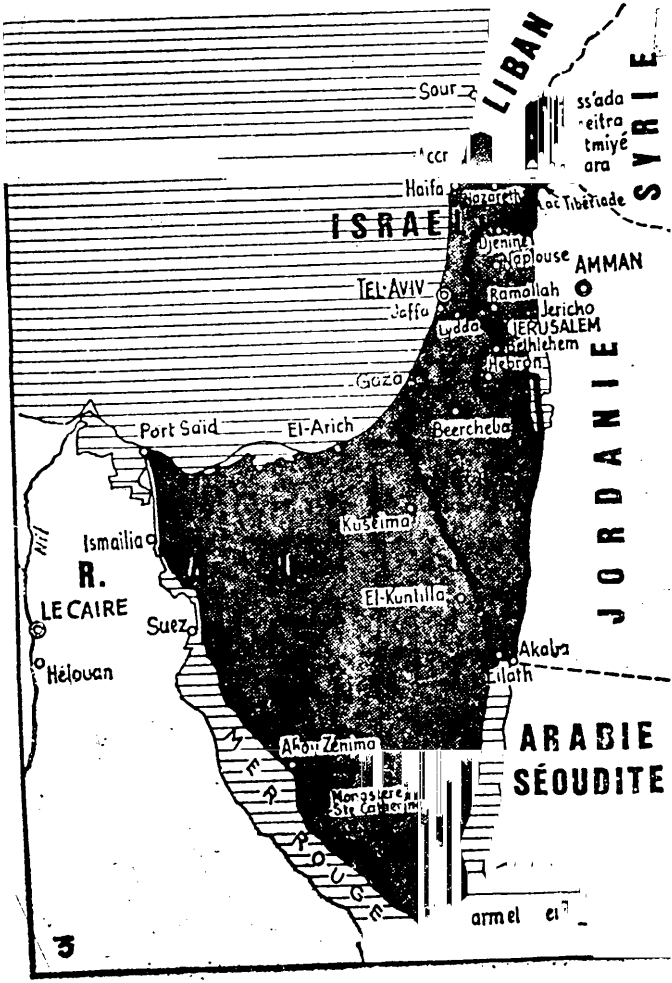

۳۔ اسرائیل کی فوجوں کے زیر قبضہ موجودہ علاقہ

کے حالات میں جداگانہ پالیسی کی مخالفت کرنے، اسرائیلی جارحیت کے نشانات کا خاتمہ کرنے اور مشرق وسطیٰ کے ایک حقیقی اور منصفانہ حل کے حصول کے لئے کام کرنے والی تمام عرب ریاستوں کے طرزہائے عمل کا اتحاد اور ہم آہنگی خصوصی طور پر اہم ہے۔

اس ضمن میں بغداد کی عرب سربراہ کانفرنس کے فیصلوں کو انتہائی گراں قدر قرار دیا۔ سوویت یونین نے اعلان کیا کہ شام کے با اصول موقف اور جداگانہ معاہدوں کو مسترد کرکے عرب ممالک کے اتحاد کو تقویت دینے میں اس کی جانب سے مثبت اضافے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

مارچ ۱۹۷۹ء میں ماسکو میں ایک انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے جنرل سیکرٹری اور سوویت یونین کی سپریم سوویت کی پریزیڈیم کے صدر لیونڈ بریژنیف نے کہا کہ مشرق وسطیٰ میں ہماری کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں ہے اور ہم دوسرے ممالک کے قدرتی وسائل پر کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ ہم ایک پائیدار امن چاہتے ہیں اور عرب اقوام کے جائز حقوق، اور اسرائیلی جارحیت کے اثرات کو مٹانے کے لئے ان کی جدوجہد میں ان کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔ ہم سامراجی شکست آمیز معاہدوں اور عربوں کے انتہائی اہم مفادات کی خرید و فروخت کے بھی مخالف ہیں۔

اسی طرح انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے سوویت وزیر خارجہ ابندری گرومیکو نے کہا کہ مشرق وسطیٰ میں ابھی تک امن نہیں ہے۔ کیمپ ڈیوڈ ملی بھگت اور اطراف کی بنیاد پر جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ صورت حال کی مزید ابتری کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔ سوویت یونین عرب ممالک کی جائز جدوجہد

کی حمایت کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔

دسمبر ۱۹۷۸ء میں فلسطینی عوام کے ساتھ یکجہتی کا بین الاقوامی ہفتہ منایا گیا۔ اس موقع پر لیونڈ بریژنیف نے پی ایل او کے سربراہ یاسر عرفات کے نام ایک پیغام میں کہا کہ سوویت یونین ثابت قدمی کے ساتھ فلسطینی عوام کی حمایت کرتا رہے گا جو اپنے جائز حقوق کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ فلسطینی عرب اپنے ناقابل تنسیخ قومی حقوق کے حصول کے لئے ایک منصفانہ جدوجہد کر رہے ہیں جس میں خود ان کی اپنی ریاست کے قیام کا غیر متنازعہ حق بھی شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ سوشلسٹ برادری کے ممالک اور ساری دنیا کی ترقی پسند اور جمہوری قوتیں فلسطینیوں کے منصفانہ مفادات کی اٹل حمایت کرتی ہیں اور سوویت یونین اس اصولی پالیسی سے کبھی دستبردار نہیں ہوگا جس کا مقصود مشرق وسطیٰ کے مسئلے کا ایک جامع حل تلاش کرنا اور منصفانہ اور پائیدار امن قائم کرنا ہے۔

ستمبر ۱۹۷۰ء میں باکو میں ایک اہم تقریر کرتے ہوئے لیونڈ بریژنیف نے کہا تھا کہ اگر ہم پائیدار امن اور بین الاقوامی سلامتی چاہتے ہیں تو ہمیں چند اہم مسائل کو حل کرنا ہوگا جن میں ایک مسئلہ مشرق وسطیٰ میں منصفانہ امن کا قیام ہے۔ اس علاقے کی صورت حال آج بھی پیچیدہ اور اس علاقے کے ممالک اور بحیثیت مجموعی بین الاقوامی صورت حال کے لئے ایک ممکنہ خطرہ ہے۔ اس کی وجہ اسرائیل اور ان قوتوں کی ہٹ دھرمی ہے جن پر وہ تکیہ کر رہا ہے اور عرب قوموں کے جائز حقوق اور مفادات کو قبول کرنے سے انکار کر رہا ہے۔ اس کی وجہ اسرائیل کی خواہش ہے خواہ اس کی نوعیت سیاسی ہو یا فوجی،

جو بہر حال قوت کے بل بوتے پر عربوں پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا ہے۔ حال ہی میں اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے بھاری داؤ لگایا گیا ہے۔ یعنی ان لوگوں کے ساتھ پس پردہ جداگانہ معاہدے کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو عرب مفادات سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ یہ منصوبہ بالکل واضح ہے یعنی عربوں میں پھوٹ ڈالنا، انہیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرنا اور یکے بعد دیگرے عرب ممالک پر تصفیے کے لئے ایسی شرائط عاید کرنا جو حملہ آور کے حق میں ہیں۔

لیکن مشرق وسطیٰ کے مسئلے کو خلوص نیت سے حل کرنے کی بنیادی شرائط کو نظرانداز کرنے کی کوئی بھی کوشش، تصفیہ کے سلسلے میں جائز فریق کو خارج کرنے یا انہیں فریب دینے کی کوشش صرف ایک تصوراتی تصفیے کے علاوہ اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتیں۔ جداگانہ معاہدے کا کوئی بھی ڈھانچہ جس کے پردے میں ایک فریق کو ہتھیار ڈالنے اور دوسرے فریق کی جارحیت کو، اسرائیل کی جارحیت کے نتائج کو دائمی بنانے کی کوشش کی جائے، مشرق وسطیٰ کی صورت حال کو مزید دھماکہ خیز بنا دے گی۔

کیمپ ڈیوڈ میں ہونے والے حالیہ امریکی، اسرائیلی اور مصری مذاکرات کا تجربہ یہی ثابت کرتا ہے۔ یہاں اسرائیل اور مصر کے درمیان ایک اور عرب دشمن معاہدہ ہوا جس کی تیاری میں واشنگٹن میں سرگرم حصہ لیا۔ اب مشرق وسطیٰ کے تنازعے کے دیگر فریقین پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کہ وہ اس معاہدے کی شرائط کو تسلیم کرلیں جو ان کی پیٹھ کے پیچھے اور ان کے مفادات کے عین خلاف تیار کیا گیا ہے۔ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عربوں نے کیمپ ڈیوڈ کے جداگانہ معاہدے کو سختی سے مسترد کر دیا ہے اور غم و غصے

سے اس معاہدے سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا ہے ۔ ان کے جذبات کو سمجھنا مشکل نہیں ۔ برسہا برس کا تجربہ ناقابلِ تردید طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے تنازعے کو حقیقی معنوں میں حل کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اسرائیل ان تمام عرب علاقوں کو مکمل طور پر خالی کردے جن پر اس نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کیا تھا، فلسطینی عربوں کے جائز حقوق کا مکمل اور واضح طور پر احترام کیا جائے جن میں ان کی اپنی آزاد ریاست قائم کرنے کا حق بھی شامل ہے اور اس علاقے کے تمام ممالک کو جس میں بلاشبہ اسرائیل بھی شامل ہے حقیقی سلامتی کی ضمانت دی جائے ۔ اس قسم کا جامع تصفیہ صرف اس وقت ممکن ہے کہ اس میں پی ایل او سمیت تمام متعلقہ فریقین شرکت کریں ۔ یہ مقصد جتنا جلد حاصل ہوگا اتنا ہی جلد مشرق وسطیٰ کشیدگی کا مرکز نہیں رہے گا ۔

اکتوبر ۱۹۷۹ء میں جمہوریہ یمن کے صدر عبدالفتح اسماعیل نے سودیت یونین کا دورہ کیا ۔ ان کے اعزاز میں دیئے گئے ایک عشائیے میں تقریر کرتے ہوئے لیونڈ بریژنیف نے کہا کہ لیننی خارجہ پالیسی کے اصولوں سے وفادار رہتے ہوئے سودیت یونین ان ملکوں کے ساتھ تعلقات کے فروغ اور استحکام کو خصوصی اہمیت دیتا ہے جو آزادی، خودمختاری اور امن کے آدرشوں کو حاصل کرنے اور ہر طرح کی بالادستی کو ناقابل قبول قرار دینے کے معاملے میں ہمارے ساتھ متفق ہیں ۔ بدقسمتی سے مشرق وسطیٰ کی صورت حال ابھی تک خراب ہے جس کی صرف ایک وجہ ہے یعنی اسرائیل کے حکمرانوں اور ان کے سرپرستوں کی ڈھٹائی اور دلیل کی بات ماننے سے انکار ۔ اسرائیل اپنے محفوظ وجود پر اسی وقت اعتماد کرسکتا ہے جب وہ

۱۹۶۷ء کی سرحدوں کے اندر رہے اور اس کے بعد کے تمام مقبوضہ عرب علاقے خالی کر دے۔ فلسطینی عربوں کے قومی حقوق کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالے، جن میں ان کی ریاست کے قیام کا حق بھی شامل ہے۔

سوشلسٹ ممالک کے اخبارات نے بھی صدر سادات کی اس مہم جوئی کی مخالفت کی اور اس کے گھمبیر اور خطرناک نتائج کی طرف توجہ دلائی۔ سوویت یونین نے اپنی بین الاقوامی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے صدر سادات کے اس خطرناک کھیل میں عرب ممالک کو اپنی پوری تائید، حمایت اور امداد کا یقین دلایا۔

سوویت یونین کے ذرائع ابلاغ نے اپنے عوام کو قاہرہ کے تازہ ترین اقدامات سے آگاہ رکھا۔ یہ ذرائع ابلاغ عوام کو بتاتے رہے کہ کس طرح قاہرہ نے پی ایل او کے ریڈیو سٹیشن کو بند کر دیا گیا، کس طرح پی ایل او کے نمائندے کو نکال دیا ہے، کس طرح صیہونیوں سے "امن مذاکرات" کے نام پر قاہرہ میں سہ طرفہ خفیہ مذاکرات جاری ہیں، کس طرح کانفرنس سے پی ایل او کے نام کی تختی صیہونی راہنماؤں کو خوش کرنے کے لئے ہٹا دی گئی ہے اور کس طرح مصر اور اسرائیل کو اسلحہ کی فروخت کا لالچ دے کر امریکہ مشرق وسطیٰ میں ایک نئی جنگ کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ سوویت ذرائع ابلاغ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی کہ صدر سادات کا یہ مشن ناکام رہے گا۔ جنوری ۱۹۷۸ء میں پراودا کے ایک تبصرہ نگار پاول ڈیمڈنکو نے لکھا:

"مصر اور اسرائیل کے مابین دو طرفہ روابط جس کو مغرب کے

بورژوا پریس نے خوب اچھالا ہے' دو ماہ کے دوران کوئی مثبت نتیجہ پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ بلکہ ان سے مشرق وسطیٰ کے جھگڑے کے مجموعی تصفیے کی راہ میں رکاوٹ پڑی ہے اور عرب دنیا میں انتشار پھیلا ہے۔ ایک بھی عرب ملک نے ان مذاکرات میں شرکت نہیں کی ہے۔

"یہ ایک کھلا راز ہے کہ حال ہی میں مصر کے خاص حلقوں نے یہ افواہ اڑائی تھی کہ صدر سادات کے اسرائیل کا دورہ کرنے کے فیصلے سے اسرائیل مصر کو رعائتیں دے گا اور کم از کم اپنی فوجیں صحرائے سینا سے واپس بلا لے گا۔ اس جانب بھی واضح اشارہ کیا گیا تھا کہ واشنگٹن جو قاہرہ کی سوویت دشمنی اور مغرب نوازی' اور اس کی ترقی پسند عرب حکومتوں سے مخالفت پر بے حد خوش ہے مصر کی مدد کرے گا تاکہ یہ مقصد حاصل ہو جائے"

"تاہم یہ امیدیں نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ کیونکہ مصر اپنے دوست کھو بیٹھا' اپنی پوزیشن کمزور کر بیٹھا اور پھر اسرائیل نے دھمکی آمیز انداز میں بات شروع کر دی۔ قاہرہ کے اخبارات میں قاہرہ کانفرنس کی جو روداد شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کانفرنس مصر کے لئے "ذلت آمیز" تھی۔

اس سے قبل دسمبر ۱۹۷۷ء میں سوویت خارجہ پالیسی کے ہفت روزہ "نیو ٹائمز" نے لکھا تھا:

"سوویت یونین اپنی اصولی پالیسی پر کاربند رہتے ہوئے عربوں کے جائز مقاصد کی حمایت کرتا ہے اور مشرق وسطیٰ میں

مسئلے کے مجموعی حل کے لئے کوشش کرتا رہے گا جو ان امور پر مشتمل ہونا چاہیے کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء کے تمام مقبوضہ عرب علاقے خالی کر دے۔ فلسطین کے عرب عوام کو ان کے جائز و قانونی حقوق تفویض کئے جائیں جن میں ان کی اپنی ریاست کے قیام کا حق بھی شامل ہے اور علاقے کے تمام ممالک کو آزادانہ بقا و سلامتی کی ضمانت مہیا کی جائے۔ صرف یہی تعمیری اور حقیقت پسندانہ پالیسی ہی جھگڑے کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں منصفانہ اور پائیدار امن کے لئے علیحدہ معاہدوں سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ پی ایل او کی شمولیت سے جنیوا کانفرنس ہی مسئلے کا حل تلاش کر سکتی ہے۔

"علیحدہ معاہدوں کی پالیسی مجموعی اور منصفانہ حل کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ اس میں شامل ممالک نہ تو ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ عرب علاقوں سے اسرائیل کی واپسی اور نہ ہی فلسطین کے عرب عوام کے ریاست سازی کے حقوق کے خواہاں ہیں۔ ان حالات میں یہ قدرتی امر ہے کہ عرب دنیا نے ان کو مسترد کر دیا ہے۔"

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ صدر سادات نے صیہونی اسرائیل سے مذاکرات کے لئے اور امریکہ کو خوش کرنے کے لئے مصر میں سوویت یونین کے قونصل خانے بند کر دیئے۔

امریکہ کی براہ راست بالادستی میں منعقد ہونے والے اسرائیلی مصری مذاکرات کی ابتدا سے ہی سوویت یونین نے تنبیہ کر دی تھی کہ جداگانہ معاہدوں سے مشرق وسطیٰ میں امن قریب نہیں آئے گا بلکہ اس سے صورت حال پر منفی اثرات

مرتب ہوں گے اور کشیدگی پھیلے گی اور مسئلے کے مجموعی حل کی راہ مزید دشوار گزار ہو جائے گی۔ حالات نے سوویت یونین کی اس وارننگ کو درست ثابت کر دیا ہے۔ جداگانہ معاہدے کرنے والوں نے ایک بہت بھاری ذمہ داری اٹھائی ہے۔ جو مشرق وسطیٰ کے اہم مفادات کے بالکل منافی ہے اور علاقے میں امن وسلامتی کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔

اس موقع پر جب کہ مشرق وسطیٰ میں حقیقی امن کے مخالفین اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کر رہے تھے، سوویت یونین نے مناسب سمجھا کہ عربوں کی قوت میں اضافے کے لئے ان سے یکجہتی میں اضافہ کیا جائے۔

سوویت یونین کا بین الاقوامیت پر مبنی موقف اور مشرق وسطیٰ میں پائیدار امن کے قیام کے لئے اس کی مسلسل کوششوں کی تمام عرب ممالک بے حد تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ سوویت یونین کی دلی خواہش ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ایسا پائیدار امن قائم ہو جو علاقے کے تمام ممالک کے حقیقی مفادات کے عین مطابق ہو۔ لیکن ایسا امن علیحدہ معاہدوں کے ذریعے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ معاہدے امن کو تہ و بالا ہی کر سکتے ہیں۔